تین ننھے سُراغ رساں
اور
گانے والا ناگ

تین ننھے سُراغ رساں

اور

گانے والا ناگ

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار	۱۹۷۸
تعداد	۴۰۰۰
قیمت	۴روپے

حادثہ

"یہ کیا بھئی عنبر؟" خالہ جان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر عنبر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ان کا دایاں ہاتھ جو چائے کی پیالی میں چینی گھول رہا تھا، رُک گیا۔ "یہ تم تیراکی کا لباس پہن کر ناشتا کرو گے؟ یہ کون سا رواج نکل آیا؟"

"رواج تو نہیں، خالہ جان۔" عنبر نے اپنی کرسی گھسیٹے ہوئے کہا۔ "دراصل کل شام عاقِب اور نسیم کے ساتھ ہی پروگرام بن گیا تھا کہ آج

صبح ناشتے سے نپٹتے ہی ہم تینوں تیرنے جائیں گے۔"

"مگر ابھی تو تم نے ناشتا نہیں کیا؟"

"جی، وہ تو ہے۔" عنبر نے جھینپتے ہوئے کہا۔ "میں نے وقت بچانے کے لیے ناشتے سے پہلے ہی کپڑے بدل لیے تھے۔"

"اگر تم واقعی تیرنے جا رہے ہو۔" خالُو کریم نے ہونٹ پر لگا ہوا مکھّن صاف کرتے ہوئے کہا۔ "تو ناشتا ڈٹ کر نہ کرنا۔"

عنبر نے چائے میں چینی گھولتے ہوئے کہا۔ "مجھے معلوم ہے۔"

"افّوووووہ۔" اچانک خالہ جان نے حیرت سے کہا۔ اُن کی نظر اخبار پر جمی ہوئی تھی۔ "میں بیس سال کی تھی جب یہ فلم پہلی بار لگی تھی۔"

عنبر کی نظریں خالہ جان کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے اخبار کی طرف اُٹھ گئیں۔ خالہ عموماً فلموں کی بات نہیں کیا کرتی تھیں۔ یہ آج اِن کو کیا ہو گیا تھا!

”کون سی فلم کی بات کر رہی ہو، جی؟“ خالو کریم نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

”یہ۔“ خالہ نے اخبار میز پر پھیلاتے ہوئے کہا۔ ”خونی چڑیل عرف گڑبڑ گھٹالا۔

اخبار میں ایک لمبے مگر دُبلے پتلے آدمی کی تصویر چوکھٹے میں بنی ہوئی تھی۔ یہ آدمی شیشے کے ایک گولے کو گھور رہا تھا۔ اس کے نیچے لکھا ہوا تھا۔ ”خونی چڑیل عرف گڑبڑ گھٹالا کا مشہور اداکار راحیل خان“ اس کے ساتھ ہی یہ خبر درج تھی کہ کرہِ نور فلم اسٹوڈیو کے مالک وہ تمام چیزیں ۲۱ تاریخ کو نیلام کر رہے ہیں جن کا تعلّق کسی نہ کسی طرح مشہور فلمی ہیرو راحیل خان سے رہا ہے۔ ان چیزوں میں خونی چڑیل عرف گڑبڑ گھٹالا میں استعمال ہونے والی شیشے کی گیند، کالا جادُو عرف بہرام خان میں استعمال ہونے والی چھڑی اور قالین، اور اسی قسم کی اور فلموں میں راحیل خان کے استعمال میں آنے والی چیزیں شامل تھیں۔

”میرا خیال ہے میں نیلامی میں ضرور جاؤں گا۔“ خالُو کریم نے کہا۔ ان کی دکان کریم انٹرپرائز میں ہر قسم کا مال ملتا تھا اور انہیں یہ دعویٰ تھا کہ جو چیز شاداب نگر میں اور کسی دُکان پر نہ مل سکے، وہ اُن کی دُکان میں مل جائے گی۔ اور یہ دعویٰ کافی حد تک سچ بھی تھا۔ ان کی دُکان میں دنیا بھر کا سامان تھا، پرانا سامان جسے وہ درست کر کے مناسب داموں پر فروخت کر دیتے تھے۔

”میرے خیال میں تو وہاں جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔“ خالہ جان نے کہا۔

”کیوں؟“

”اس لیے کہ وہاں صرف وہی لوگ جائیں گے جنہیں اس قسم کی چیزوں سے دل چسپی ہو گی، اور ایسی صورت میں یہ چیزیں خاصے مہنگے داموں فروخت ہوں گی۔“

”ہُو وووں۔“ خالُو سلم نے لمبا سا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ”کہتی تو تم ٹھیک ہو۔“

”ارے یہ گھوڑے جیسی آواز کیسی ہے؟“عنبر نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ شاداب نگر میں گھوڑے تانگے نہ تھے، اس لیے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز پر عنبر کی حیرت بے جا نہ تھی۔

خالہ، جو ناشتے سے فارغ ہو چکی تھیں، اپنی کرسی سے اُٹھیں اور کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہنے لگیں۔ ”ارے! یہ تو وہی ہے، جاوید مُغل۔ اپنے گھوڑے پر جا رہا ہے۔ کیا تھا اس گھوڑے کا نام؟ بڑا ابھلا سا نام تھا۔“ انہوں نے کھڑکی کے پاس سے واپس آ کے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”ہاں، یاد آیا نیلا چاند۔۔۔۔“

عنبر نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس لیے نہیں کہ اُسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی، بلکہ اس لیے کہ جاوید مُغل ذرا مغرور سا لڑکا تھا، اور عنبر ایسے لڑکوں میں زیادہ گھُلنا ملنا پسند نہ کرتا تھا۔ وہ عنبر کے محلے ہی میں رہتا تھا۔ اور اسے یہاں آئے ہوئے صرف پانچ چھ مہینے ہوئے تھے۔

عنبر کو اب تک وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب جاوید مُغل اپنے والد کے

ساتھ پہلی بار اس کے محلے میں آیا تھا، کیونکہ اسی دن شام سے پہلے پہلے باپ اور بیٹا دونوں کریم انٹرپرائز آئے تھے اور وہاں سے بہت سی چیزیں خرید کر لے گئے تھے۔

جاوید مُغل تیرہ چودہ سال کا لڑکا تھا۔ اس کے باپ کا چہرہ کتابی اور ناک کھڑی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اس کا تعلّق مُغلیہ خاندان سے تھا، اور شاید ٹھیک ہی تھی یہ بات، کیونکہ اس کے چہرے پر بادشاہوں کا سا وقار نظر آتا تھا۔ شروع شروع میں عنبر نے جاوید سے دو چار بار ملاقات کی تھی، لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ وہ کچھ مغرور سا ہے تو پھر اس نے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ نہ بڑھایا۔

نیلا چاند جاوید مُغل کے گھوڑے کا نام تھا۔ یہ گھوڑا اس کے دادا کا تھا جن کا انتقال ہوئے کوئی ایک سال ہوا ہو گا۔ جاوید مُغل کے دادا اکھڑ قسم کے آدمی تھے۔ وہ اپنے بیٹے سے صرف اسی وجہ سے ناراض رہتے تھے کہ اس نے گھڑ سواری نہیں سیکھی تھی، اور جب جاوید نے گھُڑ سواری سیکھ لی، وہ

اسے بے حد چاہنے لگے۔

یہ ساری باتیں جاوید نے عنبر کو اُن گِنی چُنی ملاقاتوں میں بتائی تھیں جو شروع شروع میں اُن کے درمیان ہوئی تھیں۔ جاوید نے عنبر کو یہ بھی بتایا تھا کہ اس کی امّی کے پاس ہیروں کا بہت قیمتی جڑاؤ ہار بھی ہے، جو مُغلیہ خاندان کی یادگار چلا آرہا تھا۔

یہ ساری باتیں ایک لمحے میں عنبر کے ذہن میں گھوم گئیں اور اس نے زور سے کہا۔ ''ہونہہ!''

''کیا بات ہے، عنبر؟'' خالہ جان نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ''تمہاری اور جاوید مُغل کی بنتی نہیں کیا؟''

''ارے خالہ جان! بنے کیا۔'' عنبر نے کہا۔ ''وہ ذرا مغرور سا ہے۔ ناک پر مکھّی نہیں بیٹھنے دیتا۔''

''نہیں بیٹے۔'' خالہ جان نے سمجھایا۔ ''محلّے داروں سے دوستی رکھنی چاہیے۔

اور جاوید تو بے چارہ یوں بھی اکیلا ہے۔ نہ اس کی بہن ہے، نہ بھائی۔ ابھی کل ہی اس کی نوکرانی مجھے بتا رہی تھی کہ جاوید کی امّی آج کل کراچی گئی ہوئی ہیں۔ اس کے والد بھی وہیں ہیں، اور انہوں نے اپنی بہن کو جاوید کے پاس بھیج دیا ہے۔"

"لیکن وہ لوگ جاوید کو ساتھ ہی کیوں نہیں لے گئے؟" عنبر نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لیے کہ جاوید کی امّی بیمار ہیں اور اس کے ابّو اُن کا علاج کرانے وہاں لے گئے ہیں۔" خالد نے بتایا۔

"اوہ!" عنبر نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں آج ہی۔۔۔۔۔"

اس کا فقرہ درمیان ہی میں رہ گیا کیونکہ نسیم اور عاقِب اندر آ گئے تھے۔ ان دونوں نے بھی تیراکی کا لباس پہنا ہوا تھا۔

چند منٹ کے اندر اندر عنبر، نسیم اور عاقِب اپنی اپنی سائیکل پر سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ مزے مزے سے باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک موڑ مُڑتے ہی انہیں کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔

اس سے پہلے کہ تینوں دوست سنبھلتے، گھوڑا انہیں دیکھ کر بِدکا اور اُس کا سوار زمین پر گِر پڑا۔

ان تینوں نے بچنے کی پوری پوری کوشش کی لیکن اُن کی سائیکلیں ایک دوسرے سے ٹکرا کے گِر گئیں۔

عنبر نے اپنے دائیں بائیں نظر ڈالی تو اس نے دیکھا کہ سامنے جاوید مُغل سڑک پر گِرا پڑا ہے اور اس کے ایک گھٹنے سے خون نکل رہا ہے!

پُراسرار گیت

”تم۔۔۔۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ تم لوگ گھنٹی نہیں بجا سکتے تھے؟“ جاوید نے اُٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ناراض نہ ہو بھائی۔“ عنبر نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”اس ٹکّر کی وجہ ہم نہیں، تمہارا گھوڑا ہے، نیلا چاند۔“

”خبردار جو اس کا نام لیا۔“ جاوید نے دھمکاتے ہوئے کہا۔ ”تم نے پہلے ہی اسے کافی ڈرادیا ہے۔“

”ڈرادیاہے؟“ نسیم نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”ہم کیا جن بھُوت ہیں جو ہم نے اسے ڈرادیا؟“

عنبر اب جاوید کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنی جیب سے رومال نکالا اور اس کے گھٹنے سے نکلنے والا خون پونچھنے لگا۔

جاوید ہچکچایا تو اس نے بڑے پیار سے کہا۔ ”چلو، غَلَطی ہماری ہی سہی۔ مگر تم اپنے گھُٹنے کی خبر لو۔۔۔۔لاؤ، میں اس پر رومال باندھ دوں۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنے رومال سے خُون پونچھا اور نسیم سے رومال لے کر جاوید کے گھٹنے پر باندھ دیا تاکہ خون رُک جائے۔

”نیلا چاند! نیلا چاند!“ جاوید نے گھوڑے کو پیار سے پکارا۔ ”تم تو ٹھیک ہو نا؟ بولو!“

گھوڑے نے زور سے ہنہنا کے بتایا کہ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ جاوید نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ”اب تم مجھے سہارا دے کے گھوڑے پر بٹھا دو۔

میں گھر جاؤں گا۔"

"نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ہم تمہیں اس حالت میں اکیلا گھر نہیں جانے دیں گے۔"

"اور کس حالت میں جانے دو گے؟" جاوید نے پوچھا۔

"ذرا ٹھنڈے دل سے سوچو۔ اگر تم اس حالت میں اکیلے اپنی پھوُپھی جان کے پاس گئے تو کیا تمہیں ڈانٹ نہیں پڑے گی؟"

جاوید ایک لمحے کو کچھ سوچنے لگا، پھر بولا۔ "ڈانٹ تو پڑے گی، مگر تم لوگوں ہی کی وجہ سے نا۔"

عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ نہیں ہم تمہیں پھوُپھی جان کی ڈانٹ ڈپٹ سے بچانے کے لیے تمہارے ساتھ جائیں گے۔ آؤ، میری سائیکل پر بیٹھ جاؤ۔ اس حالت میں تم گھوڑے پر ٹھیک سے نہیں بیٹھ سکو گے۔"

جاوید پہلے تو کچھ ہچکچایا، پھر عنبر کی سائیکل پر بیٹھ گیا۔ عنبر نے عاقِب سے کہا کہ وہ گھوڑے کی لگام تھام لے اور پیچھے پیچھے چلا آئے۔

"نہیں۔" جاوید نے کہا۔ "نیلا چاند خود ہمارے پیچھے آئے گا۔ اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔"

اب یہ چھوٹا سا قافلہ جاوید کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر کے اندر سب سے پہلے انہیں نوکرانی نظر آئی جس نے انہیں بتایا کہ پھوپھی بڑے کمرے میں آرام کر رہی ہیں۔

"اچھا، انہیں آرام کرنے دو۔" جاوید نے کہا۔

"نہیں، انہیں جگا دو اور کہو کہ جاوید اپنے دوستوں کے ساتھ آیا ہے۔" عنبر نے کہا۔ جاوید نے دوستوں کے لفظ پر عنبر کی طرف گھور کر دیکھا مگر چُپ رہا۔ نوکرانی پھوپھی کو بُلانے چلی گئی تو عنبر نے جاوید سے کہا۔ "بس، اب تم کچھ نہ بولنا۔"

جاوید نے منہ سے کچھ نہ کہا، لیکن سر کو ہاں میں ہلکی سی حرکت دی۔ چند لمحے بعد سامنے سے پھوُپھی آتی ہوئی نظر آئیں۔ ان کی شخصیت کچھ ایسی تھی کہ عنبر، نسیم اور عاقِب تینوں انہیں غور سے دیکھے بنانہ رہ سکے۔

انہوں نے سر سے پاؤں تک نارنجی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور گلے میں سفید چمکتی ہوئی چاندی کی ایک نازک سی زنجیر ڈال رکھی تھی۔ ان کے بال کھلے ہوئے تھے اور کمر پر لہرا رہے تھے۔

"سلام پھوُپھی جان۔" عنبر نے بڑے ادب سے کہا۔ "میں عنبر ہوں اور یہ میرے دوست نسیم اور عاقِب ہیں۔ ہم تینوں جاوید کے درست ہیں۔"

"تو۔۔۔۔" پھوُپھی نے آگے بڑھتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"ایک منٹ، پھوُپھی جان۔" عنبر نے اُن کو بات نہ کرنے دی اور جلدی سے بول پڑا۔ "جاوید کا گھوڑا ایک موڑ پر ہم لوگوں کی سائیکلوں سے بِدک گیا اور جاوید کے گھٹنے پر چوٹ لگ گئی۔ ہمیں بہت افسوس ہے۔ آپ جو چاہیں سزا دے سکتی ہیں۔"

پھوپھی نے عنبر، نسیم اور عاقِب کی طرف نظر بھر کر دیکھا اور پھر کہنے لگیں۔ ''کوئی بات نہیں، بچّو۔ آخر جانور ہی تو ہے، بِدک گیا۔ اس میں تمہارا یا جاوید کا کیا قصور۔''

جاوید نے محبّت بھری نظروں سے عنبر کی طرف دیکھا، اور عنبر نے جواب میں اس کا کندھا تھپتھپایا۔ ''پھوپھی جان، میں ڈاکٹر صاحب کو بُلا کر لاتا ہوں۔''

''نہیں، ڈاکٹر واکٹر کیا کرے گا آ کر۔'' پھوپی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ ''یہ کوئی ایسی گہری چوٹ نہیں۔ جلد ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ بس تم مجھے جلدی سے گھر میں سے لکڑی کے جالے ڈھونڈ کے لا دو۔''

''مکڑی کے جالے؟'' نوکرانی نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں، مکڑی کے جالے نہیں دیکھے کبھی تم نے؟'' عنبر نے سختی سے کہا۔

''جانتی ہوں جناب، جانتی ہوں۔'' نوکرانی نے کہا۔ ''لیکن ابھی کل ہی تو

میں نے سارے گھر کی صفائی کی ہے۔ مجھے جہاں جہاں مکڑی کے جالے نظر آئے، اُنہیں اُتار کے پھینک دیا۔"

"یہ تو تم نے بہت بُرا کیا۔" عنبر نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ "آئندہ ایسی حرکت کرنے سے پہلے پوچھ لیا کرو، پھوپھی جان سے۔"

عاقِب اور نسیم حیرت سے عنبر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس کی باتیں بعض دفعہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ جاوید مُغل بھی اپنی چوٹ کو بھول گیا تھا اور ٹُکر ٹُکر عنبر کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"اچھا، اگر جالے نہیں مل سکتے تو نہ سہی۔" پھوپھی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میری سنگھار میز پر ایک شیشے کی سبز رنگ والی شیشی پڑی ہے، وہ لے آؤ۔"

نوکرانی جلد ہی شیشی لے آئی۔ پھوپھی نے اسے کھولتے ہوئے کہا۔ "عنبر بیٹے، اس کے گھٹنے پر سے رومال کھول دو۔ میں مرہم لگا دوں گی تو جلد آرام آ جائے گا۔"

عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے رومال کھول دیا اور کہنے لگا۔ ”مگر پھوُپھی جان، یہ مرہم جو آپ لگا رہی ہیں، کیا۔۔۔۔۔“

”بہت شاندار مرہم ہے، بیٹے۔“ پھوُپھی جان نے بدبُو دار مرہم اُنگلی بھر کر زخم پر مل دیا۔ ”اس میں بارہ جڑی بوٹیاں ہیں، اور یہ سب میں نے بارہویں رات کے چاند کی روشنی میں شہر سے بارہ میل دور جمع کی تھیں اور اس کام سے فارغ ہو کر رات کے بارہ بجے گھر لوٹی تھی۔ یہ مرہم بڑی مُشکل سے بنتا ہے بیٹے۔ یہ لو، دیکھ لو۔ خون بہنا بند ہو گیا۔“

خون بہنا واقعی بند ہو گیا تھا، مگر مرہم سے نہیں، بلکہ خون کھال کے اوپر جم کر سوکھ گیا تھا۔ کم از کم جاوید، عنبر، عاقِب اور نسیم کا تو یہی خیال تھا۔

”اچھا، عنبر اور۔۔۔۔۔“ پھوُپھی نسیم اور عاقِب کے نام شاید بھول گئی تھیں۔

”نسیم۔“ نسیم نے کہا۔

”عاقِب۔“ عاقِب نے بتایا۔

”ہاں تو عنبر، نسیم اور عاقِب، تم لوگوں کا بہت بہت شکریہ۔“ پھوُپھی نے کہا۔

”اچھا، اب ہم چلتے ہیں۔“تینوں دوستوں نے چلنے کی تیاری کی۔ عنبر بولا۔ ”میں اسی محلّے میں رہتا ہوں۔ کریم انٹرپرائز والے کریم صاحب میرے خالُو ہیں؟“

”اچھا؟“ پھوُپھی نے حیرت سے کہا۔ ”تم لوگ پہلے کبھی ہمارے گھر نہیں آئے۔ میرا مطلب ہے کہ میرے سامنے۔“

”نہیں پھوُپھی جان، یہ آج ویسے بھی پہلی ہی بار ہمارے گھر آئے ہیں۔ ذرا مصروف زیادہ رہتے ہیں۔“

”جج۔۔۔۔جی۔ جاوید ٹھیک کہہ رہا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم ذرا مصروف رہتے ہیں۔“

”اچھا، تو پھر کبھی آنا۔ تم مجھے کافی اچھے لگے ہو، عنبر بیٹے۔“

باہر نکلتے ہی نسیم نے عنبر کے گُد گُدی کرتے ہوئے کہا۔ ”بڑے آدمیوں کو شیشے میں اُتارنا تو کوئی تم سے سیکھے۔ کس طرح پھوپھی کو جالے والی بات سے خوش کیا ہے۔“

”میں اُن کے کہتے ہی دیکھ چکا تھا کہ گھر میں صفائی ہوئی ہے۔ اس لیے میں نے سوچا کہ جالوں کی اہمیّت پر زور دینے میں کوئی نقصان نہیں۔“

تینوں ننھے سُراغ رساں ہنسنے لگے اور یونہی ہنسی مذاق کرتے گھر پہنچ گئے۔ خالہ دوپہر کے کھانے پر اُن کا انتظار کر رہی تھیں۔

”تیر آئے؟“ اُن لوگوں کے حُلیے کو دیکھتے ہوئے خالہ جان نے پوچھا۔

”نہیں، خالہ جان۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم آج تیر نے نہیں گئے۔“

”تو اتنی دیر تک کیا کرتے رہے؟“

”جاوید مُغل کی دوستی پالتے رہے۔“ عنبر نے کہا۔

”ارے لڑکے! دوستی بھی کوئی گھوڑا ہے جسے پالا جاتا ہے؟“

”جی خالہ جان۔“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”جب دوستی گھوڑے کی وجہ سے ہو جائے تو اُسے پالا جانا ہی کہیں گے۔“ سب ہنسنے لگے۔

”خالہ جان، جاوید کی پھوُپھی ہیں عجیب چیز۔“عنبر نے ہنستے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ خالہ جان نے پوچھا۔

”مطلب یہ کہ میں اُن کی شان میں گستاخی نہیں کر رہا ہوں۔ وہ واقعی عجیب چیز ہیں۔“ یہ کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگا۔ آخر کار بڑی مُشکل سے اُس نے جالوں اور بارہ جڑی بوٹیوں کے مرہم کی بات بتائی، جسے سُن کر خالہ بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکیں۔

اس رات عنبر جاوید کی پھوُپھی کے بارے میں سوچتا سوچتا سو گیا۔ آدھی رات کو اس نے خواب میں دیکھا کہ پھوُپھی کی نوکرانی زور زور سے خالہ

جان کے گھر کے باہر لگی گھنٹی بجا رہی ہے۔ اس نے دیکھا کہ خالہ نے اُٹھ کر دروازہ کھولا اور نوکرانی کو اندر لے آئے۔ اندر آتے ہی نوکرانی رونے لگی۔ ”خالُو جی، میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی۔ میں واپس نہیں جاؤں گی۔“

عنبر آنکھیں ملتے ہوئے اُٹھ بیٹھا۔ اس نے دیکھا کہ جو کچھ وہ خواب میں دیکھ رہا تھا، وہ خواب نہیں، بلکہ حقیقت ہے! نوکرانی سچ مُچ کمرے کے بیچوں بیچ بیٹھی رو رہی تھی۔ خالہ اور خالُو اُسے چُپ کرا رہے تھے اور وہ کہہ رہی تھی۔ ”میں وہاں واپس نہیں جاؤں گی، میں واپس نہیں جاؤں گی۔ آج رات آپ مجھے اپنے گھر میں جگہ دے دیں۔ صبح ہوتے ہی میں اپنے گاؤں چلی جاؤں گی۔“

”آخر تم آدھی رات کو وہاں سے اس طرح بھاگ کے کیوں آ گئی ہو؟ کیا ہوا؟ کچھ تو بولو؟“ خالہ نے اُس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”بولو! شاباش! ڈرو نہیں۔“

”جی۔۔۔۔جی۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔۔وہ۔۔۔۔۔ گانے کی آواز۔ وہاں گانے کی آواز آرہی تھی۔“نوکرانی نے کہا۔ وہ لرز رہی تھی اور اس کی آواز بھی کانپ رہی تھی۔

”گانے کی آواز؟ لیکن اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟“ خالہ نے کہا۔ ”بھئی کوئی گارہاہو گا یا کہیں ریڈیو ٹی وی یا ٹیپ ریکارڈر چل رہاہو گا۔“

”نہیں بی بی جی۔“نوکرانی نے لرزتے ہوئے کہا۔”وہ کسی انسان کے گانے کی آواز نہیں تھی۔ وہ تو عجیب سی پُراسرار آواز تھی! ایسے جیسے کوئی چیز گا رہی ہو۔ کوئی چیز، بی بی جی!“

نوکرانی یہ کہتے کہتے بے ہوش ہو گئی۔

عجیب پھُوپھی!

بڑی مُشکل سے نوکرانی کو ہوش آیا۔ عنبر پوری طرح چوکنا بیٹھا تھا۔ ”کیا تمہارے خیال میں اس پُراسرار آواز کا تعلّق کسی جانور سے ہے؟“

”نہیں، میں جانتی ہوں کہ اس گھر میں صرف دو جانور رہتے ہیں، گھوڑا اور موتی کُتّا۔ اور ان دونوں نے کبھی اس قسم کی آواز نہیں نکالی۔“

”تمہارے خیال میں آوازوں کا تعلّق جاوید کی پھُوپھی سے ہو سکتا ہے؟“ عنبر نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ یہ آواز، یہ گانے کی سی آوازیں آدمی کی نہیں ہو سکتیں۔ کسی جانور کی شاید ہوں۔"

"مگر اس گھر میں تو جاوید اور اس کی پھوپھی، گھوڑا اور موتی کے سوا اور کوئی نہیں رہتا۔ پھر یہ آوازیں۔۔۔۔۔۔"

"ٹھہریے۔" نوکرانی نے عنبر کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "کل شام وہاں ایک مہمان آیا تھا۔"

"کیسا مہمان؟" عنبر نے پوچھا۔ "تم اس کا حلیہ بتا سکتی ہو؟"

"ہاں، کچھ کچھ۔" نوکرانی کا ڈر اب دور ہوتا جا رہا تھا اور اس کی آواز کی لرزش ختم ہو گئی تھی۔ "وہ ٹیکسی میں آیا تھا۔ اس نے کالے رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ کالی ہی قمیض اور کالی ہی ٹائی لگائی ہوئی تھی۔ البتّہ اس کا اپنا رنگ گورا تھا، بالکل انگریزوں کی طرح۔"

"اور کچھ؟"

”اور کچھ نہیں جی۔“

”اچھا، اب تم سو جاؤ۔“ خالہ جان نے نوکرانی سے کہا۔ ”صبح ہم تمہیں جاوید کے گھر۔۔۔۔۔“

”نہیں۔ میں نے کہا نا، میں وہاں بالکل نہیں جاؤں گی۔ صبح اپنے گھر واپس چلی جاؤں گی، اور اگر نوکری کی ضرورت ہوئی تو دیکھا جائے گا۔“

صبح اُٹھتے ہی نوکرانی سچ مُچ اپنے گاؤں چلی گئی اور عنبر نے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں جا کر نسیم اور عاقِب کو ٹیلے فون کیا کہ دس بجے کے قریب وہاں آ جائیں۔ یہ ہیڈ کوارٹر ننھے سُراغ رسانوں کا صدر دفتر تھا۔ اور اس میں انہوں نے ٹیلے فون بھی لگوا رکھا تھا جس کا بِل تینوں سُراغ رساں دیا کرتے تھے۔

دس بجے کے قریب تینوں سُراغ رساں ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے تھے۔ نسیم نے کہا۔ ”کیوں سُراغ رساں نمبر ایک، کوئی خاص بات؟“

”جلدی بتاؤ، بھئی۔“ عاقِب بولا۔ ”کیا ننھے سُراغ رسانوں کے لیے کوئی اور کیس آ گیا ہے؟“

”نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”کیس تو میں نہیں کہہ سکتا، البتّہ رات ایک پُراسرار بات جاوید کے گھر ضرور ہوئی ہے۔“

”کیا؟“ نسیم اور عاقِب نے اتنی جلدی سے کہا کہ دونوں کے منہ سے یہ لفظ ایک ہی وقت میں نکلا اور عنبر اُن کی بے صبری پر مُسکرانے لگا۔

”بتاتا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اب اتنی زیادہ بے صبری کی بھی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔“

عنبر نے رات والا پورا قصّہ سُراغ رساں نمبر دو اور نمبر تین کو سُنا دیا اور نئے پُراسرار مہمان کی آمد کا حال بھی بتا دیا۔ تینوں سُراغ رساں یہ سوچنے لگے کہ اس سلسلے میں کیا قدم اٹھایا جائے۔

”میرا خیال ہے سب سے پہلے ہمیں جاوید مُغل کو ٹیلی فون کر کے یہ معلوم

کرنا چاہیے کہ اس نے بھی یہ تمام آوازیں سُنی ہیں؟" عاقِب نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ نوکرانی کی بات جھوٹ ہو سکتی ہے؟" نسیم نے اعتراض کیا۔

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں۔" عاقِب نے کہا۔ "اس طرح، ہمیں آوازوں کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم ہو جائے گا اور ہم اس نتیجے پر زیادہ آسانی سے پہنچ سکیں گے کہ یہ آوازیں یا گانا یا جو کچھ بھی تھا، کس قسم کا تھا اور پھر۔۔۔"

"ہاں، جب تک ہمیں یہ علم نہ ہو جائے کہ یہ کس قسم کی آوازیں تھیں، تب تک ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔" عنبر نے عاقِب کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس کے لیے ہمیں جاوید سے ملنا ہو گا۔ ہم ٹیلے فون پر یہ بات نہیں پوچھیں گے۔"

"لیکن ہم وہاں کس طرح جائیں گے؟" نسیم نے کہا۔

"کس طرح؟" عنبر نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہو کہا۔ "بھئی، ٹانگوں پر چل کر جائیں گے، اور کس طرح جائیں گے؟"

نسیم نے کھسیانا سا ہو کر کہا۔ "میرا یہ مطلب نہ تھا۔ میں کہنا چاہتا تھا کہ۔۔۔۔۔"

"وہ تو میں سمجھ گیا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "ہم جاوید کی مزاج پُرسی کرنے جائیں گے اور اس بہانے سے معلومات حاصل کر لیں گے۔"

لیکن عنبر، نسیم اور عاقِب کو اس سلسلے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں کیونکہ جاوید کے پاس سے پھوُپھی ایک لمحے کے لیے بھی نہ ہٹیں تھیں۔ ننھے سُراغ رسانوں کو خالی ہاتھ ہی واپس آنا پڑا۔ جاوید کے گھٹنے کے زخم میں پیپ پڑ گئی تھی اس لیے ڈاکٹر کو بلایا گیا تھا جس نے زخم صاف کر کے پٹّی باندھ دی تھی اور دو تین دن تک مکمل آرام کرنے کی ہدایت کی تھی۔

اب اس مسئلے پر چند دن تک غور نہیں کیا جا سکتا تھا اس لیے سُراغ رسانوں نے فی الحال اس بات کو بھول کر دوسرے کاموں میں اپنے آپ کو

مصروف کر لیا۔ ان میں سے ایک کام یہ تھا کہ انھوں نے شروع میں جو تعارفی کارڈ چھپوائے تھے، وہ اب ختم ہو چلے تھے اس لیے نئے کارڈ چھپوانا تھے۔ یہ کام نسیم کے ذمّے لگایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اسی ڈیزائن کے کارڈ چھپوائے، جس ڈیزائن کے پہلے چھپوائے گئے تھے۔ چار پانچ روز بعد کارڈ چھپ کر آ گئے، اور اب عنبر، نسیم اور عاقِب خفیہ ہیڈ کوارٹر میں بیٹھے اُن کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ عنبر کہہ رہا تھا۔ ”مجھے تین ننھے سُراغ رسانوں کی اتنی جلد کامیابی کا گمان تک نہ تھا۔“

”ہاں، میرا تو خیال تھا کہ ہمارے کارڈ ساری زندگی ختم نہ ہوں گے۔“ نسیم نے کہا۔

”مگر اب یوں لگتا ہے جیسے ابھی چھپوائے تھے۔ اور ابھی ختم ہو گئے۔“ عاقِب بولا۔

”میرے خیال میں تو ہماری کامیابی کا دارومدار تمہاری ذہانت پر ہے۔“ نسیم نے عنبر سے کہا۔

”نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”یہ خدا کے فضل و کرم اور ہم تینوں کی مِلی جُلی کوششوں کا نتیجہ ہے۔“

”بھئی بُرا نہ ماننا۔ مجھے گھوڑے کی سی بُو آ رہی ہے۔“ نسیم نے اچانک نتھنے سکیڑتے ہوئے کہا۔

”ذرا باہر جا کے دیکھو۔“ عنبر مُسکراتے ہوئے بولا۔ ”مجھے تمہاری ناک پر حیرت ہے۔“

نسیم باہر گیا اور چند منٹ بعد جاوید مُغل کو ساتھ لیے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوا۔ جاوید کو نسیم کے ساتھ آتے دیکھ کر عنبر اور عاقِب بہت حیران ہوئے۔ ”ڈاکٹر نے مجھے چلنے پھرنے اور گھُڑسواری کی اجازت دے دی ہے۔“ جاوید نے کہا۔ ”میرا گھٹنا اب بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔ میں تم لوگوں کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں اور تم سے دوستی کرنا بھی چاہتا ہوں۔“

”ہم نے تو تمہیں اسی دن اپنا دوست بنا لیا تھا۔“ عنبر نے کہا۔ ”بہر حال، ہمیں بڑی خوشی ہے کہ تم نے بھی ہمیں اپنا دوست سمجھا۔“

”آخّاہ! یہ کیا ہے، بھئی؟“ جاوید نے میز پر پڑا ہوا تین ننھے سُراغ رسانوں کا ایک تعارفی کارڈ اُٹھا کر کہا۔ یہ کارڈ یوں تھا۔

تین ننھے سُراغ رساں
ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں
؟ ؟ ؟
سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر
سُراغ رساں نمبر دو: نسیم
سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

”بھئی، تم لوگ تو بہت کام کے آدمی ہو۔“ جاوید نے کارڈ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہاری فیس کتنی ہے؟ میرا مطلب ہے ایک معاملے کی تفتیش کرنے کے لیے کتنے پیسے لیتے ہو؟“

”کوئی خاص فیس طے نہیں کرتے۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“ عنبر نے

کہا۔

”میں تم لوگوں کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ جاوید نے کہا۔
”مگر۔۔۔“

”مگر کیا؟“عنبر نے کہا۔”تم معاملہ بتاؤ، ہماری خدمات حاضر ہیں؟“

”دراصل میں چاہتا ہوں کہ شمس ہمارے گھر سے چلا جائے۔“ جاوید نے کہا۔

”کیا یہ شمس وہی شخص ہے جو اس دن شام کو تمہارے ہاں آیا تھا، جس دن تمہارے چوٹ لگی تھی؟“عنبر نے کہا۔

”ہاں، ہے تو وہی۔“ جاوید نے کہا۔”مگر تم نے کیسے جان لیا؟“

”ایک منٹ۔“عنبر نے جاوید کو ہاتھ کے اشارے سے چُپ رہنے کو کہا۔
”تم اسے کیوں گھر سے نکالنا چاہتے ہو؟“

”یہ ایک لمبی کہانی ہے۔“ جاوید نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

”کیا اس کہانی میں کسی پُراسرار آواز یا گانے کی آواز کا بھی ذکر آتا ہے؟“

”یہ تمہیں کیسے پتا چلا؟“ جاوید نے پوچھا۔ ”کیا سُراغ رسانوں کو گھر بیٹھے ساری باتوں کا پتا چل جاتا ہے؟“

”نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ان چند باتوں کا علم ہمیں تمہاری اس نوکرانی سے ہوا تھا جو اسی رات بھاگ کر ہمارے گھر آگئی تھی۔ اگلے دن ہمارا پروگرام تھا کہ تم سے اس بارے میں کچھ پتا کیا جائے۔ مگر پھوپھی تمہارے پاس ہی بیٹھی رہیں، اور ہمیں یوں ہی اُٹھ کر آنا پڑا۔“

”تو گویا تم لوگوں نے پہلے ہی معاملے کی چھان بین شروع کر رکھی ہے؟“ جاوید نے بڑے شوق سے پوچھا۔

”ہے نہیں، تھی۔“ عنبر نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ ”البتّہ اب چھان بین کریں گے۔“

”اچھا، یہ ماضی، حال اور مستقبل کی گردان چھوڑو اور میرے مسئلے کی

طرف آؤ۔" جاوید نے کہا۔

"ہاں، ہم اُدھر ہی آ رہے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "تم ہمارے سوالوں کے جواب دیتے جاؤ۔"

"پوچھو۔" جاوید نے اطمینان سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"جس رات شمس تمہارے گھر آیا، اس رات نوکرانی نے کچھ پُراسرار آوازیں یا گانے کی سی آوازیں سُنی تھیں۔ کیا وہ تم نے بھی سُنی تھیں؟"

"ہاں، اور اس منحوس رات کے بعد شاید ہی کوئی رات ایسی گزری ہو جب وہی گانے کی سی آوازیں سُنائی نہ دیتی ہوں۔" جاوید نے کہا۔ "دراصل میں ان آوازوں ہی کی وجہ سے چاہتا ہوں کہ شمس ہمارے گھر سے چلا جائے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ اِن آوازوں کا تعلّق کسی نہ کسی طرح شمس سے ہے؟" عاقِب نے کہا۔

"ہاں۔" جاوید کے بجائے عنبر نے جواب دیا۔ "کیونکہ وہ آوازیں صرف شمس کے آنے کے بعد ہی آنا شروع ہوئی ہیں۔ ہیں نا، جاوید؟"

"بالکل۔" جاوید نے کہا۔ "اس کے آنے سے پہلے ہم اطمینان سے سویا کرتے تھے، اور اب تو رات کا سکون ہی اُڑ گیا ہے۔ وہ رات بھر مکان میں پھرتا ہے اور دن بھر سوتا رہتا ہے۔ پتا نہیں آدمی ہے یا چمگادڑ؟" جاوید کی اس بات پر عنبر کے سوا سب کو ہنسی آ گئی۔

"وہ رات رات بھر جاگ کر کیا کرتا ہے؟" عنبر نے سوال کیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"یہ تو میں پتا نہیں لگا سکا، کیونکہ میں رات کو سو جاتا ہوں۔ البتّہ جب کبھی رات کو آنکھ کھُل جاتی ہے تو وہ خوف ناک اور پُراسرار گانے کی سی آواز مجھے سُنائی دیتی ہے۔" جاوید نے کہا۔ "جب سے شمس آیا ہے، پھوُپھی جان کی بھی عجیب سی حالت ہو گئی ہے۔"

"مثلاً کیا؟" عنبر نے بے صبری سے پوچھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے پھُوپھی جان شمس سے بہت دبتی ہیں۔ شاید شمس نے پھُوپھی جان پر جادُو کر دیا ہے!"

"وہ مکڑی کے جالے اور چاند کی بارہویں رات کو۔۔۔"نسیم نے کہنا شروع کیا۔

"ہاں، اس سے بھی زیادہ۔" جاوید نے کہا۔ "وہ شمس کے آنے سے پہلے بھی رات کو اپنے پلنگ کے ارد گرد زمین پر دائرہ کھینچ کر سویا کرتی تھیں۔"

"اچھا؟"

"ہاں۔" جاوید نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کے علاوہ مختلف رنگوں کے کپڑے مختلف دن پہنا کرتی تھیں، اور کہا کرتی تھیں کہ نیلے رنگ کا تعلّق منگل سے ہے اور سُرخ رنگ کا تعلّق پتا نہیں کس دن سے ہے۔"

"انہیں پتا نہیں؟"عنبر نے حیرت سے کہا۔

”نہیں، یہ تو میں کہہ رہا ہوں۔“ جاوید نے کہا۔ ”وہ تو ہر رنگ کے بارے میں دن یاد رکھتی ہیں۔“

”جس دن ہم تمہارے ساتھ گئے تھے، اس روز انہوں نے نارنجی رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔“ عنبر نے یاد کرتے ہوئے کہا۔ ”اور اُن کے بال کمر پر لہرا رہے تھے۔“

”ہاں، وہ بالوں کا بھی اسی طرح کرتی ہیں۔“ جاوید نے کہا۔ ”فلاں دن ایک چُٹیا باندھیں گی، فلاں دن بال کھلے رہیں گے، فلاں دن دو پٹیاں باندھیں گی وغیرہ وغیرہ۔ البتّہ اب شمس کے آنے کے بعد سے انہوں نے موم بتّیاں بھی جلانی شروع کر دی ہیں۔“

”موم بتّیاں؟“

”ہاں۔“ جاوید نے کہا۔ ”یہ موم بتّیاں ایک خاص دُکان سے ٹیلے فون کر کے منگوائی جاتی ہیں اور مختلف رنگوں کی ہوتی ہیں۔“

”ان کے رنگوں میں کوئی خاص بات ہو گی۔“عنبر نے لُقمہ دیا۔

”ہاں۔“ جاوید نے کہا۔ ”گلابی رنگ کا مطلب ہے حفاظت، نارنجی کا مطلب ہے کچھ اور، سُرخ کا مطلب ہے طاقت۔ ہر رات شمس اور پھوُپھی جان اُوپر کے کمرے میں چلے جاتے ہیں اور وہاں دروازہ بند کر کے، موم بتّیاں وغیرہ جلاتے ہیں، اور تب۔۔۔۔۔۔“

”تب کیا؟“عنبر نے بے صبری سے پوچھا۔

”تب وہ پراسرار سی آواز آنا شروع ہو جاتی ہے، جیسے کوئی چیز گا رہی ہے۔“

”ایک منٹ!“عنبر نے کہا۔ ”اس آواز کے بارے میں کچھ تفصیل بتاؤ۔“

”اس کے بارے میں میں خود بھی زیادہ نہیں جانتا۔“ جاوید نے کہا۔ ”بس یُوں لگتا ہے جیسے کوئی چیز۔۔۔“

”چیز سے تمہاری کیا مراد ہے؟“

”میرا مطلب ہے، کوئی چھوٹا موٹا جانور۔ میں اِس آواز کو بیان نہیں کر سکتا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس کو کیسے بیان کروں! یہ آواز کسی آواز سے بھی نہیں مِلتی، اس لیے اِسے بیان کرنا مشکل ہے۔“

”اچھا، تم نے اس بارے میں پھوپھی جان سے بھی بات کی ہے؟“عنبر نے پوچھا۔

”نہیں۔“ جاوید نے کہا۔ ”ان سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ ان سے بات کی جائے گی تو وہ یا تو مُسکرا کے رہ جائیں گی یا ڈانٹ دیں گی۔ ایک دن میں نے ہمّت کر کے بات شروع کرنا چاہی تھی، لیکن وہ جھٹ دوسرے موضوع پر آ گئیں۔“

”کس موضوع پر؟“

”اُن کا ایک ہی پسندیدہ موضوع ہے۔“ جاوید نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ ”پرانی فلموں میں استعمال ہونے والا سامان، بس یہ چیزیں جمع کرنا ہی اُن کا مشغلہ ہے۔ اُن کے پاس فلم انمول گھڑی میں استعمال ہونے والی گھڑی

سے لے کر 'دیا اور طوفان' میں استعمال ہونے والا دِیا تک موجود ہے۔ وہ اپنی پسند کی چیز منہ مانگے دام دے کے خرید لیتی ہیں۔"

"مگر یہ تو بڑا بے ضرر سا مشغلہ ہے۔" نسیم نے کہا۔ "میں خود بعض دفعہ ابّو سے کہہ کے اس قسم کی کوئی چیز حاصل کر لیتا ہوں۔ میرے پاس وہ مونچھ رکھی ہوئی ہے جو 'چنگیز خان' فِلم میں چنگیز خان استعمال کرتا تھا۔"

عنبر مُسکرانے لگا۔ نسیم کے ابّو جلال فلم ڈائریکٹر تھے۔

"مگر میرا اصل مسئلہ ہے شمس کو گھر سے نکالنا۔" جاوید نے زور دے کے کہا۔ "جب تک وہ گھر میں ہے، میں رات کو آرام سے نہیں سو سکتا۔"

"اس کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب آ رہی ہے۔" نسیم نے کہا۔ "کیوں نہ ہم اس کے نہانے کے ٹب میں مینڈک چھوڑ دیں، یا اُس کے بستر میں لال بیگ۔۔؟"

"یا سانپ چھوڑ دیں۔ وہ ڈر کے بھاگ جائے گا۔" عاقِب بولا۔

”سانپوں، لال بیگوں اور مینڈکوں وغیرہ سے تو وہ ڈرنے والا نہیں۔ ان چیزوں کو وہ اُلٹا خود ہی ڈرا دے گا۔ کوئی اور ترکیب سوچو۔“ جاوید نے کہا۔

”بھئی، جاوید۔“ عنبر کچھ دیر سے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ اچانک بولا۔ ”ہمیں ایک دن آدھی رات کو تمہارے ہاں جانا پڑے گا تاکہ ہم حالات کا جائزہ لے سکیں۔ تب ہی کسی نتیجے پر پہنچ سکیں گے۔“

”آج بات سے اچھا موقع شاید ہی پھر آئے۔“ جاوید نے کہا۔ ”آج رات کے دس بجے ہمارے گھر پارٹی ہے۔ پھوپھی جان اور شمس نے کئی لوگوں کو بلایا ہے۔“

”بس تو اب تم جاؤ۔“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”تین ننھے سُراغ رساں رات کے دس بجے تمہارے گھر پہنچ جائیں گے۔“

گھنی مُونچھیں

جب تین ننھے سُراغ رساں رات کے دس بجے جاوید کے گھر کے پاس پہنچے تو جاوید نے انہیں باہر ہی پکڑ لیا۔ ”ہمیں چھُپ کر ان کی باتیں سُننی چاہیں۔“

”ظاہر ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”وہ لوگ یہ تو قطعاً پسند نہیں کریں گے کہ ان کی باتوں کو ان کے سامنے سُنا جائے۔“

”تو پھر ہم دروازے کے بجائے صحن کی دیوار پھلانگ کر اندر جائیں گے۔“

جاوید نے کہا۔

عنبر بولا۔ ”تم ہماری راہ نمائی کرو۔“

تھوڑی ہی دیر میں وہ لوگ دیوار پھاند کے صحن میں پہنچ گئے۔ پھوپھی، شمس اور اُن کے بلائے ہوئے لوگ بڑے کمرے میں موجود تھے اور ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔ بڑے کمرے کے باہر دالان تھا جس میں ایک بیل لگی ہوئی تھی۔ تینوں سُراغ رساں بیل کی آڑ میں اس انداز سے کھڑے ہو گئے کہ انہیں کوئی نہ دیکھ سکے اور وہ کھڑکی میں سے اندر دیکھ سکیں۔

کمرے میں صرف پانچ لوگ تھے۔ پھوپھی جان نے تو گلابی رنگ کی شلوار قمیض پہنی ہوئی تھی۔ اور، پاؤں میں بھی گلابی ہی رنگ کا سینڈل تھا۔ وہ میز کے ایک طرف کھڑی تھیں۔ ان کے بالکل سامنے میز کی دوسری طرف شمس کھڑا تھا۔ اس کا حلیہ آج بھی وہی تھا جو نوکرانی نے اس رات بتایا تھا، کالا سوٹ، کالی قمیض، کالی ٹائی، کالا بُوٹ، مگر رنگ بالکل گورا۔ اُس کے

بالکل سامنے میز پر دو شمع دان رکھے تھے، جن میں سُرخ رنگ کی دو موم بتّیاں جل رہی تھیں۔ شمس کے بال بے ترتیب تھے اور ماتھے پر پڑے ہوئے تھے۔

شمس کے بائیں جانب ایک دُبلی پتلی سی عورت تھی۔ اس نے نارنجی میکسی پہنی ہوئی تھی۔ اس کے بالوں کا رنگ سُرخ تھا۔ شاید اس نے سفید بالوں میں مہندی لگائی تھی۔

سُرخ بالوں والی عورت کے بالکل سامنے ایک بھاری بھرکم عورت ساڑھی پہنے کھڑی تھی۔ ساڑھی سبز رنگ کی تھی اور بلاؤز بھی اُسی رنگ کا تھا۔ اس کے پہلو میں اس محفل کا پانچواں شخص کھڑا تھا۔ وہ اس محفل میں سب سے زیادہ اجنبی محسوس ہو رہا تھا۔ باقی سارے تو میز کے گرد سیدھے کھڑے ہوئے تھے لیکن یہ شخص ذرا جھکا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے علاوہ دُوسروں نے تو صاف سُتھرا لباس پہنا ہُوا تھا لیکن اس نے میلے کچیلے کپڑے پہن رکھے تھے جن پر ایک پھٹی پُرانی سی جیکٹ تھی۔ اس کی

حجامت بھی بڑھی ہوئی تھی۔

”یہ آدمی اتنے بڑے حُلیے میں کیوں ہے؟“عنبر نے جاوید سے پوچھا۔

”پتا نہیں۔“ جاوید نے کہا۔ ”ویسے اس میں کوئی خاص بھید ہو گا۔ یہ آدمی ایک بڑی دُکان کا مالک ہے اور اپنی کار میں آیا ہے۔ اس کا نام ندیم ہے۔“

”اور یہ نارنجی کپڑوں والی عورت؟“عنبر نے پوچھا۔

”اس کا نام عذرا ہے، اور یہ ایک ہیئر سیلون اور بیوٹی کلینک چلاتی ہے۔ میری پھوُپھی جان اُسی سے اپنے بال سیٹ کراتی ہیں۔“

”اور وہ سبز ساڑھی والی؟“عنبر نے پوچھا۔ ”وہ کیا کرتی ہے؟“

”اس کے نام اور کام کے بارے میں کوئی خاص پتا نہیں چل سکا، البتّہ اتنا جانتا ہوں کہ پھوُپھی جان کی سہیلی ہے اور کبھی کبھی اُن سے ملنے کے لیے دن میں بھی آجاتی ہے۔“

”اب کیا یہ لوگ یونہی کھڑے ایک دوسرے کو گھورتے رہیں گے؟“نسیم

نے آہستہ سے پوچھا۔

تقریباً اسی لمحے کمرے کے اندر موجود لوگ تالیاں بجانے لگے۔ ہر ایک نے پانچ پانچ بار تالی بجائی۔

"لو! لگتا ہے پروگرام شروع ہو گیا ہے۔" عنبر بولا۔ "اب ذرا دھیان سے سُنو اور دیکھو۔"

شمس یکایک جھکا اور میز کے نیچے سے ایک بڑا سا کانچ کا پیالہ اُٹھا لیا۔ اس کے اندر کچھ تھا۔ پہلے اس نے چند الفاظ منہ ہی منہ میں بُڑبُڑائے، اس کے بعد اس پیالے میں سے تھوڑا سا کچھ پیا اور پھر وہ پیالہ اپنے بائیں جانب کھڑی ہوئی عورت کو دے دیا۔ اس نے بھی اسی طرح کچھ بُڑبُڑا کر چند گھونٹ پیے۔ اسی طرح سب نے اس پیالے میں سے تھوڑا تھوڑا سا پیا۔ آخر میں یہ پیالہ پھر شمس کے پاس پہنچ گیا، جس نے اسے میز پر رکھ دیا اور کہنے لگا۔ "اب ہم شروع کر سکتے ہیں۔"

اب چاروں شمس کے نزدیک آ گئے۔ شمس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور

بولا۔ ”آج ہماری حاضری پوری نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے ہمارا کام پورا نہ ہو سکے، مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پُورا ہو جائے اور شیطان ہمارے لیے اپنے کسی چیلے کو بھیج دے۔ ہو سکتا ہے کوسوں دور سے ہمارے ساتھ بات چیت کرے۔ بہر حال ہمیں کوشش تو کرنی ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے میز سے پیالہ اُٹھالیا اور اس میں سے بچی ہوئی ساری چیز پی گیا۔

”مجھے پتا ہے کہ ہم ناکام نہیں ہو سکتے۔“ عذرا نے لہک کر کہا۔ ”جب میرا دُکان کے مالک سے کرائے پر جھگڑا چل رہا تھا تو۔۔۔۔۔“

”خاموش!“ شمس نے منہ پر انگلی رکھ کر عذرا کو چُپ ہو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”فالتو بات نہیں۔ ہمیں ترتیب کے ساتھ سب رسمیں پوری کرنا ہیں۔“

اب اس نے پھوپھی کو اشارہ کیا۔ انھوں نے سُرخ رنگ کی دو اور موم بتّیاں جلائیں اور اپنے سامنے میز پر جما دیں۔

”اب سب لوگ بیٹھ جائیں۔“ شمس نے حکم دیا جسے فوراً سب نے مان لیا۔

”ہاں، اب تم اپنی خواہش بیان کرو۔“ شمس نے پھوپھی سے کہا۔

پھوپھی نے اپنا سر تھوڑا سا جھکا کر آہستہ سے کہا۔ ”مجھے شیشے کا گولہ چاہیے، اور میں چاہتی ہوں کہ بیگم خان کو کسی جگہ کام سے بھیج دیا جائے تا کہ وہ میرے مقابلے میں بولی نہ دے سکے۔“

”میں مدد کے لیے ناگ کو بلاؤں یا شیطان کو؟“ شمس نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتی۔“ پھوپھی نے کہا۔ ”جیسا مناسب ہو، کیا جائے۔“

”میرا ابھی ایک مسئلہ ہے۔“ ندیم نے کہا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ۔۔۔۔۔“

شمس نے اُسے جھڑک کر خاموش کر دیا ہے۔ ”کیا تمھیں پتا نہیں کہ جس کا کام ہو اُسی کے گھر اجلاس بُلایا جاتا ہے؟“

”اوہ!“ ندیم نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے معاف کر دیں۔“

”اچھا، اب ہم شیطان اور ناگ دونوں سے کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی

بیگم خان کو کسی جگہ بھیج دے۔ ہاں، یہ کام کب تک ہو جانا چاہیے ؟" شمس نے پھوپھی سے پوچھا۔

"۲۰ تاریخ تک۔" پھوپھی نے جواب دیا۔ "بیگم خان کو اسی مہینے کی ۲۰ تاریخ تک یہاں سے بہت دُور چلے جانا چاہیے۔ اس کے بعد چاہے واپس آ جائے۔"

"ٹھیک ہے۔" شمس نے کہا۔ "اب ہم شروع کرتے ہیں۔"

شمس اب سر جھکا کے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ باقی سب نے بھی اُس کی نقل کی۔ اب کمرے میں مکمّل خاموشی چھائی ہوئی تھی اور سُرخ رنگ کی چار موم بتّیوں کی روشنی میں کمرے کا ماحول بڑا پُراسرار نظر آ رہا تھا!

"میں کہتا ہوں، یہاں سے بھاگ چلو۔" نسیم نے آہستہ سے کہا۔

"صبر کرو۔" عنبر بولا۔ "ابھی ہم نے وہ نہیں دیکھا جو دیکھنے آئے ہیں۔"

"اوہ میرے خدا!" نسیم نے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "اب اور کیا دیکھنا

چاہتے ہو؟ اب تو صرف شیطان کی کسر رہ گئی ہے۔ باقی جادُو ٹُونا تو دیکھ ہی لیا۔"

عنبر صحیح کہہ رہا تھا۔ ابھی کام ختم نہیں ہوا تھا۔ ان پانچوں آدمیوں کو سر جھکائے بیٹھے صرف پانچ منٹ ہوئے ہوں گے کہ ایک پُراسرار سی آواز آنے لگی۔ پہلے یہ آواز بہت دھیمی تھی، پھر آہستہ آہستہ تیز ہوتی چلی گئی۔ یہ آواز گانے جیسی تھی مگر گانا نہیں تھی۔ نہ یہ آواز مردانہ تھی، نہ زنانہ اور نہ بچگانہ۔ یہ آواز سمجھی بھی نہیں جاسکتی تھی، کیونکہ اس میں الفاظ نہ تھے۔ بس، عجیب سی آواز تھی!

"یہی یہی ہے وہ منحوس آواز!" جاوید نے سُراغ رسانوں سے کہا۔ "اسی آواز نے میرا سکون برباد کر دیا ہے!"

نسیم نے عنبر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے اور نزدیک ہو کر کھڑا ہو گیا۔ عاقِب بھی ایک دفعہ کو سہم گیا۔

"یہی آواز سُن کر تمہاری نوکرانی بھاگی تھی، اس رات۔" عنبر نے جاوید

سے کہا۔

”ہاں، اور اگر تم نے کسی طرح شمس سے ہماری جان نہ چھڑائی تو کسی دن میں بھی بھاگ کھڑا ہوں گا۔“

”مگر تم اپنے گھر سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟“ عنبر نے کہا۔ ”تم بے فکر رہو۔ ہم انشاء اللہ شمس کو ہی یہاں سے نکال دیں گے۔“

”کیا یہ آواز۔۔۔۔“ عاقِب نے آہستہ سے کہنا شروع کیا ہی تھا کہ عنبر بول اُٹھا۔ ”یہ آواز تو آدمی کی ہے اور نہ کسی جانور کی۔ یہ بڑی پُراسرار آواز ہے۔ ہو سکتا ہے یہ آواز شمس ہی پیدا کر رہا ہو۔“

”مگر کس طرح؟“ نسیم نے کہا۔ ”وہ تو خاموش ہے۔“

اُسی لمحے اصطبل سے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز آئی۔ جاوید بڑی تیزی سے اصطبل کی طرف چلا۔ ”وہاں کوئی ہے۔“ اس نے کہا۔

عنبر، نسیم اور عاقِب بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ اصطبل کے پاس

اُن کو ایک آدمی کا سایہ سا نظر آیا جو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دیوار پھاند کر باہر چلا گیا۔

"اوہ!" عنبر کا منہ لٹک گیا۔ "یہ کون تھا؟"

"میں نے کہا تھا نا کہ ضرور کوئی ہے۔" جاوید نے کہا۔

"اس آدمی کا ہم حلیہ بھی تو نہیں دیکھ سکے۔" عنبر نے کہا۔

"حُلیہ تو نہیں۔" نسیم نے کہا۔ "البتّہ میں نے اس کی گھنی مُونچھیں ضرور دیکھ لیں۔"

"چلو، کچھ تو پتا چلا۔" عنبر نے نسیم کو شاباش دی۔ "تم بڑے ذہین، چالاک اور پھُرتیلے ہو۔" "مجھے بھی شاباش دو۔" عاقِب نے کہا "میں بھی تمہیں ایک بات بتاؤں۔"

"کیا؟" عنبر نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ پُراسرار آواز بند ہو چکی ہے اور اب لوگ واپس جارہے ہیں۔" عاقِب

نے انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ سچ کہہ رہا تھا۔

۳۰۳ ماڈل روڈ

اگلی صُبح تینوں سُراغ رساں خفیہ ہیڈ کوارٹر میں میٹنگ کر رہے تھے کہ جاوید بھی آ گیا۔ اس نے آتے ہی پوچھا۔ ”کچھ سمجھ میں آیا؟“

”تم پہلے یہ بتاؤ کہ کیا ہمارے آنے کے بعد رات پھر وہاں آوازیں وغیرہ آئی تھیں؟“ عنبر نے پوچھا۔

”نہیں، تم لوگوں کے آنے کے بعد رات آرام سے گزری۔“ جاوید نے کہا۔ ”نہ کوئی آوازیں، نہ گھنی مُونچھوں والا کوئی آدمی۔ ویسے اُس آدمی

کے بارے میں تم نے کیا سوچا؟"

"ہم اس کے بارے میں بھلا کیا سوچ سکتے ہیں۔" نسیم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "سوائے اس کے کہ اس کے گھنی مُونچھیں تھیں۔

"اس شخص کے بارے میں کئی خیال ہو سکتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "یا تو وہ کوئی اُٹھائی گیرا تھا جو چوری کی نیّت سے وہاں داخل ہوا مگر گھوڑے کے ہنہنانے نے اُس کا کام خراب کر دیا، یا پھر شمس کا کوئی ساتھی تھا جو کسی ٹیپ ریکارڈر وغیرہ کی مدد سے پُراسرار قسم کی آوازیں پیدا کر رہا تھا۔"

"اس دوسری بات میں کافی وزن ہے۔" عاقِب نے کہا۔

"لیکن ہم یقین سے تو نہیں کہہ سکتے نا۔" عنبر نے زور دے کر کہا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم جہاں سے چلے تھے وہیں پر موجود ہیں اور آگے بالکل نہیں بڑھے۔" جاوید بولا۔

"نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "ایسا تو نہیں۔ رات کی باتوں سے ہمیں کچھ پتا ضرور

چلا ہے۔ ایک خاص بات تو یہ معلوم ہوئی ہے کہ پھوپھی اور شمس کسی خاص کلب کے ممبر ہیں اور اس میں ندیم، عذرا اور وہ دوسری عورت بھی شامل ہے۔"

"مگر یہ لوگ یہاں کس لیے جمع ہوئے تھے؟" جاوید نے پوچھا۔

"یہ بھی ہمیں معلوم ہو گیا ہے۔" عنبر نے اطمینان سے کہا۔ "یہ لوگ اس لیے جمع ہوئے تھے کہ پھوپھی جان ۲۱ تاریخ کو ہونے والی ایک نیلامی میں شیشے کا ایک گولا خریدنا چاہتی ہیں، اور اسی گولے کو ایک اور خاتون بیگم خان بھی خریدنا چاہتی ہیں اور پھوپھی جان یہ چاہتی تھیں کہ بیگم خان کو کہیں بھیج دیا جائے تاکہ وہ گولے کو زیادہ بولی دے کر نہ خرید لیں۔"

"مگر یہ کیسا گولہ ہے؟" جاوید نے حیرت سے کہا۔

"یہ وہ گولا ہے جو فلم خونی چڑیل عرف گڑبڑ گھٹالا میں آج سے بیس سال پہلے مشہور اداکار راحیل خان نے استعمال کیا تھا۔"

"اوہ!" جاوید کی سمجھ میں آ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی پھُوپھی فلمی سامان خریدنے میں بہت دل چسپی رکھتی تھیں۔ "تو پھُوپھی جان یہ چاہتی ہیں کہ بیگم خان کو کہیں بھیج دیا جائے تاکہ گولا انھیں مل جائے۔"

"ہاں، ہم اب تک صرف اتنا ہی معلوم کر سکے ہیں۔" نسیم نے کہا۔

"اب اصل سوال یہ ہے کہ شمس اس کام میں پھُوپھی جان کی مدد کیوں کر رہا ہے؟" عنبر نے کہا۔ "کیونکہ ہمارے سامنے اصل مقصد ایک ہے اور وہ ہے شمس کو پھُوپھی جان کے گھر سے جانے پر مجبور کرنا۔"

"کم از کم اتنا تو میں کہہ سکتا ہوں۔" جاوید نے کہا۔ "کہ شمس پیسوں کے لیے یہ کام نہیں کر رہا ہے۔"

"کیوں؟" عاقِب نے پوچھا۔

"یہ بات تو صاف ہے۔" جاوید کے بجائے عنبر نے کہا۔

"اگر پھُوپھی جان کے پاس زیادہ پیسہ ہوتا تو وہ یہ چکّر چلانے کے بجائے بیگم

خان کے مقابلے میں زیادہ بولی دے کے وہ گولا خرید سکتی تھیں۔"

"ہاں، یہ تم نے بالکل سچ کہا۔" جاوید بولا۔ "پھوپھی جان کے پاس اتنی دولت نہیں ہے۔"

"اس سلسلے میں میرے ذہن میں ایک ترکیب ہے۔" عنبر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ اپنے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور انگلی سے نچلا ہونٹ مسل رہا تھا اور یہ حرکت وہ اس وقت کیا کرتا تھا جب اس کا دماغ سوچ رہا ہو۔

"کہو!" جاوید نے بے صبری سے کہا۔

"وہ ترکیب ہے تمہارے گھر کی تلاشی۔" عنبر نے کہا۔ "اگر شمس آوازیں پیدا کرنے کے لیے کسی ٹیپ ریکارڈر قسم کے آلے سے کام لیتا ہے تو یقیناً وہ آلہ اس نے مکان کے اندر ہی کہیں چھپا رکھا ہو گا اور تلاش کرنے سے مل سکتا ہے۔"

”ہاں، یہ بات تو ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”ہمیں آج ہی پھوپھی کے گھر کی تلاشی لینی چاہیے۔“

”یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس کام کو ہمیں جاوید کے ذمّے ڈالنا ہو گا۔ جاوید، اگر تم یہ کام کرو تو کسی کو شُبہ بھی نہ ہو گا۔“

”ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔“ جاوید نے کہا۔ ”میں آج رات ہی یہ کام کر لوں گا۔“

”آج رات؟“ عنبر نے حیرت سے کہا۔ ”مگر تم تو کہتے تھے کہ شمس رات بھر جاگتا ہے، اور دن بھر سوتا رہتا ہے؟“

”ہاں، مگر میں تم لوگوں کو خاص طور پر یہ بتانے آیا تھا کہ آج شمس اور پھوپھی جان رات کو ۹ بجے ۳۰۳ ماڈل روڈ جا رہے ہیں۔ وہاں کسی کے ہاں اُن سب کی میٹنگ ہو رہی ہے۔“

”بس یہ تو بڑا اچھا موقع ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”تم آج رات ہی مکان کی

تلاشی لے لو۔ ہم تینوں آج رات ٹھیک ۹ بجے ۳۰۳ ماڈل روڈ کے باہر موجود ہوں گے۔"

عنبر نے اُسی وقت ِکنگ موٹر کمپنی کو فون کیا اور اللہ داد کے ہاتھ رات کے ساڑھے آٹھ بجے مرسیڈیز کار بھیجنے کو کہا۔ یہ کار پہلے تو عنبر نے ذہنی آزمائش کے ایک مُقابلے میں تیس روز کے لیے جیتی تھی۔ اور بعد میں چشمِ نُور ہیرے کے مالک نے یہ ہیرا تلاش کرنے پر ِکنگ موٹر کمپنی کو ایک معقول رقم دے کر اس کا ننھے سُراغ رسانوں کے ساتھ یہ معاہدہ کرا دیا تھا کہ جب بھی سُراغ رساں طلب کریں، مرسیڈیز کار اللہ داد ڈرائیور سمیت اُن کے پاس پہنچ جائے۔

چنانچہ رات کے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے اللہ داد مرسیڈیز کار لے کر عنبر کے پاس پہنچ گیا۔

"ہمیں ۳۰۳ ماڈل روڈ جانا ہے۔" عنبر نے اللہ داد سے کہا۔

"بہتر جناب۔" اللہ داد نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ وہ تین ننھے سُراغ

رسانوں سے بڑی اچھّی طرح واقف تھا اور اُن کی باتوں میں دل چسپی بھی لیتا تھا۔

"ہمیں نو بجے وہاں پہنچنا ہے۔" نسیم بولا۔

"اَجی ہم پونے نو بجے پہنچ جائیں گے۔" اللہ داد نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ شہر کے سب سے آخری مکان کا پتا ہے۔ یہاں آپ کس سلسلے میں جا رہے ہیں؟"

"ہمارا سلسلہ تو تم جانتے ہی ہو۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ کیسی جگہ ہے اور یہاں آج جو میٹنگ یا دعوت ہو رہی ہے، وہ کس سلسلے میں ہو رہی ہے۔"

"بس مجھے تو صرف اتنا ہی علم ہے کہ ۳۰۳ نمبر کے بعد ماڈل روڈ ختم ہو جاتی ہے۔" اللہ داد نے کار کی رفتار بڑھاتے ہوئے کہا۔

۳۰۳ نمبر کے بعد ماڈل روڈ پر آبادی واقعی ختم ہو گئی تھی اور آگے سڑک

بھی کچّی تھی۔ کوٹھی نمبر ۳۰۳ کی عمارت رات کے پونے نَو بجنے کے باوجود تاریک نظر آرہی تھی۔

"بھئی، کار موڑ کر تیّار رکھو۔" عنبر نے اللہ داد کو ہدایت دی۔ "تُم تو جانتے ہی ہو کہ بعض دفعہ ہمیں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنا پڑ جاتا ہے۔"

اللہ داد مُسکرانے لگا۔ اسے سمندری بلا والے معاملے میں ننھے سُراغ رسانوں کا ڈر کے مارے بھاگنا یاد آگیا تھا۔

سُراغ رسانوں نے عمارت کے چاروں طرف پھِر کے دیکھا۔ یہ عمارت کچھ اس انداز سے بنی ہوئی تھی کہ اس کے چاروں طرف لان تھا۔ لان کے بعد احاطے کی دیوار تھی اور یہ دیوار سات آٹھ فٹ اونچی تھی۔ اس دیوار میں صرف ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔

عنبر، نسیم اور عاقِب کوٹھی کے باہر کھڑی ہوئی چند کاروں میں سے ایک خالی کار کے پیچھے چھُپ کر یہ دیکھنے لگے کہ کوٹھی کے اندر جانے والے لوگ کیا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔

چند لمحوں بعد ندیم ایک ٹیکسی میں سوار ہو کر وہاں آیا۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کہ وہ کوٹھی کے گیٹ پر پہنچا اور دیوار میں بنے ہوئے ایک اُونچے طاق میں سے ٹیلے فون اُٹھا کر کچھ کہا۔ جھٹ دروازہ کھُل گیا۔ ندیم اندر چلا گیا اور اُس کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔

"کیوں نہ ہم اندر جانے کے طریقے کا جائزہ لیں؟" عنبر نے کہا۔ "اندر جائے بغیر تو ہم کچھ بھی پتا نہیں کر سکتے۔"

"تو چلو۔" نسیم نے کہا۔

"نسیم نے ٹیلے فون اُٹھایا تو کلک کی سی آواز آئی۔ "رات اندھیری ہے۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

نسیم گڑبڑا گیا۔ "جی ہاں وہ تو ہے ہی۔" اس نے کہا۔ "لیکن جناب میں ایور شائن بسکٹ کمپنی کی طرف سے آیا ہوں اور آپ کی خدمت میں ان نئے بسکٹوں کا تحفہ پیش۔۔۔۔۔"

کلک!

دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔

"معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کو بِسکٹوں سے کوئی دل چسپی نہیں۔" نسیم نے عنبر اور عاقِب کو بتایا۔ "انہوں نے فون پر کہا تھا کہ رات اندھیری ہے۔"

"ہوں! پُراسرار الفاظ!" عاقِب نے کہا۔ "یہ الفاظ اندر جانے کے لیے خفیہ پیغام ہوں گے۔" عنبر بولا۔ "اب ہم دروازے کے راستے سے تو اندر نہیں جاسکتے۔ اس کے لیے ترکیب نمبر پندرہ استعمال کرنا ہو گی۔"

"مگر اس ترکیب سے اندر جائے گا کون؟" نسیم نے کہا۔

"تم!" عنبر نے کہا۔ "تم سب سے پتلے اور زیادہ پھُرتیلے ہو۔ لٰہذا اس کام کے لیے تم ہی موزوں ہو۔"

"ہاں۔" نسیم نے کہا۔ "ہر خطرناک کام کے لیے میں ہی موزوں ہوتا

ہوں!"

"ہاں۔" عنبر نے اُس کے ڈر سے لُطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔" یہ کہہ کہہ چاروں ہاتھوں پاؤں پر دیوار کے پاس کھڑا ہو گیا۔ "اب جلدی سے میری کمر پر پاؤں رکھ کے دیوار پر پہنچ جاؤ۔ شاباش!"

نسیم نے ایک پاؤں عنبر کی کمر پر رکھا اور پھر دیوار پر چڑھ کر اندر دیکھنے لگا۔ لیکن کوٹھی کے لان یا کسی بھی کمرے میں ذرّہ برابر بھی روشنی نہ تھی۔ اس لیے اُسے کچھ نظر نہ آیا۔ اور تب اچانک ایک عجیب بات ہوئی۔

خطرے کا الارم بجنے لگا۔

"نیچے کُود جاؤ!" عنبر نے کہا۔

اچانک گیٹ کے دونوں طرف لگے ہوئے دو بلب جل اُٹھے، اور آس پاس، جہاں اب تک صرف ستاروں کی ملگجی روشنی کے سوا کچھ نہ تھا، روشنی

پھیل گئی۔

"اب کُود بھی چکو۔" عنبر چلّایا۔

نسیم نے دیوار پر بیٹھے بیٹھے اپنا رُخ باہر کی طرف کرنے کی کوشش کی لیکن اسی کوشش میں دیوار کی ایک اینٹ پھسل کر لان کے اندر جا پڑی۔

"دھڑام!" نسیم بھی کوٹھی کے لان میں گر پڑا۔

ناگ کا شکار

”تم کون ہو، لڑکے؟“ ایک آدمی نے نسیم کی طرف لپکتے ہوئے کہا۔

خطرے کا الارم اب بند ہو چکا تھا، اس لیے عنبر اور عاقِب اندر کی آواز سُن سکتے تھے۔ اس سے پہلے کہ نسیم کوئی جواب دیتا، عنبر باہر سے چلّایا۔ ”بِلّی ملی یا نہیں؟“

”میں اپنی بِلّی دیکھنے آیا تھا۔ ابھی ابھی وہ اسی دیوار پر چڑھی تھی۔“ نسیم نے اطمینان سے کہا۔

"بڑے آئے بِلّی والے۔" آدمی بڑبڑایا۔ "اور یہ باہر کون ہے؟"

"میرا بھائی۔" نسیم نے کہا۔ "وہ ہماری پالتو بِلّی گھر سے بھاگ نکلی ہے۔ اس کے پیچھے پیچھے۔۔۔"

"کسی درخت ورخت پر دیکھو۔" عنبر باہر سے چلّایا۔

"چلو باہر نکلو!" اس آدمی نے نسیم کا ہاتھ پکڑ کر اُسے دروازے سے باہر دھکیل دیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا۔

"چلو بھئی، اب امّی سے مار کھانے کی تیّاری کرو۔" عنبر نے زور سے کہا۔ "بِلّی تو نہ جانے کہاں پہنچ چکی ہو گی اب تک؟"

تینوں سُراغ رساں دھپ دھپ کرتے ہو آگے بڑھے تاکہ اندر والے آدمی کو یقین آجائے کہ وہ لوگ واقعی بِلّی ڈھونڈنے آئے تھے۔

کچھ دُور جا کے نسیم نے کہا۔ "توبہ ہے! میں تو بدحواس ہی ہو گیا تھا۔"

"ایک سُراغ رساں کو ہمیشہ اپنے حواس قابو میں رکھنے چاہیں۔" عنبر نے

نسیم کو سمجھایا۔

"بشر طیکہ آدمی کے پاس حواس نام کی کوئی چیز ہو۔" عاقِب نے نسیم کو چھیڑا۔

"بھئی، میں نے تو پہلے ہی منع کیا تھا۔" نسیم نے چھینتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "انسان ہر تجربے سے کچھ نہ کچھ سیکھتا ہے۔ ہمیں یہ پتا چل گیا کہ یہاں میٹنگ ہو رہی ہے، وہ انتہائی اہم ہے۔"

"ہاں۔" نسیم نے کہا۔ "اس عمارت میں حفاظت بہت سخت انتظام ہے۔"

"کمروں میں موم بتّیاں جلائی گئی ہوں گی، اور پردے کھینچ دیے گئے ہوں گے۔" عاقِب نے کہا۔ "تبھی تو ذرا سی بھی روشنی نظر نہیں آ رہی تھی۔"

"ہاں، تمہارا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اے لو! میٹنگ ختم ہو گئی شاید۔"

"ہاں، ایک آدمی دروازے سے باہر نکل کہ اپنی کار میں بیٹھ رہا ہے۔"

”تب تو ہمیں فوراً فون کر کے جاوید کو بتا دینا چاہیے کہ وہ تلاش بند کر دے۔“ عنبر نے کہا۔ ”پھوپھی اور شمس کسی بھی لمحے یہاں سے روانہ ہو سکتے ہیں۔“

اللہ دار نے ننھے سُراغ رسانوں کے بیٹھتے ہی کار چلا دی اور جلد ہی وہ لوگ گھر پہنچ گئے۔ عنبر نے سیدھے خفیہ ہیڈ کوارٹر کا رُخ کیا اور جاوید کا نمبر ملایا۔ عنبر نے اپنے ٹیلی فون کے ساتھ سپیکر بھی لگا رکھا تھا تاکہ فون پر آنے والی آواز باقی دو سُراغ رساں بھی سُن سکیں۔

”ہیلو! میں بول تو رہا ہوں۔“ جاوید نے کہا۔ ”کہو! کچھ پتا چلا؟“

”تم پہلے میری بات سُنو۔“ عنبر نے کہا۔ ”تلاش بند کر دو۔ وہ لوگ اب آنے ہی والے ہیں۔“

”وہ تو کب کی بند کر چکا ہوں۔“ جاوید نے کہا۔

”کچھ ملا؟“

”اوں ہوں!“ جاوید کی آواز آئی۔ ”کچھ نہیں۔ البتّہ میرے پاس تمہارے لیے ایک نئی خبر ہے۔“

”وہ کیا؟“

میں نے ایک گھنی مُونچھوں والے آدمی کو ملازم رکھا ہے؟“

”کیا یہ وہی آدمی ہے؟ رات والا؟“

”کچھ کہا نہیں جا سکتا۔“ جاوید نے کہا۔ ”اگر یہ وہی ہے تو نسیم ہی اسے پہچان سکتا ہے۔ صبح کو تم تینوں آؤ اور اسے دیکھ لو۔“

”م۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔“ عنبر نے کچھ کہنا چاہا۔

”وہ آدمی خود ہمارے ہاں آیا تھا۔“ جاوید نے کہا۔ ”اس نے کہا تھا کہ اُسے کسی نے بتایا ہے کہ ہماری نوکرانی نوکری چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔ میں نے اسے رکھ لیا۔“

”اور اگر تمہاری پھوپھی کو اعتراض ہوا تو؟“ عنبر بولا۔

"نہیں۔" جاوید نے کہا۔ "انہیں گھریلو کام سے کچھ دل چسپی نہیں۔۔۔۔ میرا خیال ہے انہیں اعتراض نہ ہو گا۔"

"ہم صبح تمہارے ہاں آ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر عنبر نے فون بند کر دیا۔

اگلے دِن ناشتے سے فارغ ہوتے ہی یہ لوگ پھوُپھی جان کے ہاں پہنچ گئے۔

"پہلے تو تم ہمیں اس آدمی سے ملواؤ۔" عنبر نے کہا۔

"اور نسیم، تم اسے ذرا توجّہ سے دیکھنا اور بتانا۔"

"ہوں۔" نسیم نے کہا۔ "بلاؤ۔"

"بھئی، بِٹّن میاں!" جاوید نے ہانک لگائی۔ "ارے بھائی بِٹّن میاں! اِدھر تو آؤ۔"

"اس کا نام بِٹّن میاں ہے؟" عاقِب نے پوچھا۔

"ہاں۔" جاوید نے کہا۔ "لو، وہ آ رہا ہے۔"

"جی صاحب۔" بِٹّن نے کہا۔

"ان سے ملو۔" جاوید نے کہا۔ "یہ میرے بڑے اچھے دوست ہیں۔ ان کے لیے چائے لاؤ۔"

"ابھی لایا صاحب۔"

بِٹّن کے جاتے ہی نسیم بول پڑا۔ "یہ آدمی وہی ہے۔ اس کی مُونچھیں سو فی صد وہی ہیں۔"

"پھوپھی جان نے تو اسے رکھنے پر اعتراض نہیں کیا۔" عنبر نے پوچھا۔

"نہیں بالکل نہیں۔" جاوید نے کہا۔ "میں نے کہا کہ وہ کوئی اعتراض نہیں کریں گی۔"

"اور شمس نے کیا کہا؟" عنبر نے کہا۔

"شمس نے اُسے دیکھ کر ذرا ناک بھُوں چڑھائی۔ مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ارے ہاں! یاد آیا۔ آج ایک بڑی عجیب و غریب بات ہوئی ہے؟"

"وہ کیا؟"

"شمس آج چائے پیتے ہی باہر چلا گیا ہے۔" جاوید نے کہا۔

"تو گویا تمہاری جان چھوٹی۔" نسیم بولا۔

"نہیں، وہ اپنا بریف کیس لے کر نہیں گیا۔" جاوید نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وہ شاداب نگر ہی میں کہیں گیا ہے۔"

"کہتے ہیں کہ شیطان کا نام لو تو وہ جھٹ آ موجود ہوتا ہے۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے کھڑکی سے نظر آ رہا ہے کہ شمس ایک ٹیکسی میں سے اُتر رہا ہے!"

"ارے باپ رے!" جاوید نے کہا۔ "وہ دِن کو سونے اور رات کو جاگنے والی شَے آ گئی؟"

اس نے اس انداز میں یہ بات کہی کہ تینوں سُراغ رسانوں کو ہنسی آ گئی۔

"جاوید۔" عنبر نے کہا۔ "تم جھٹ پٹ پھوُپھی کے پاس پہنچو۔ میرا خیال

ہے کہ اندر آتے ہی ان دونوں کی اس بارے میں ضرور بات چیت ہو گی کہ وہ کہاں گیا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" جاوید یہ کہتا ہوا پھوُپھی کے کمرے کی طرف چل دیا۔

"سُناؤ شمس۔" پھوُپھی نے شمس کو دیکھتے ہی سوال کیا۔ "کام ہو گیا؟"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" شمس نے تقریباً ڈانٹنے کے سے انداز میں کہا۔ "میٹنگ میں ظاہر کی جانے والی تمہاری خواہش لازمی طور پر پوری ہو گی۔ ناگ پہنچایا جا چکا ہے۔ میں اب سونے جا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر دہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، اور جاوید نے بیٹھک میں ننھے سُراغ رسانوں کو ایک ایک بات بتادی۔

بِٹّن چائے رکھ کر واپس باورچی خانے میں جا چکا تھا۔ عنبر نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب تو یہ ہے کہ پھوُپھی جان راحیل خان کا شیشے کا گولا خریدنا چاہتی ہیں۔"

”ہاں، یہ تو ہمیں معلوم ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”اب مسئلہ یہ ہے کہ ناگ کیا ہے، اور کیسے یہاں پہنچایا گیا ہے؟“

”ہاں، اور یہ بات بڑی اہم ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ناگ کا نام لے کہ ہی شمس کسی نہ کسی طرح سے وہ پُراسرار قسم کی آوازیں نکالا کرتا ہے۔“

”کیا یہ ناگ بیگم خان کو دیا گیا ہے کہ وہ مر جائے؟“ عاقِب نے کہا۔

”ابھی ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ ناگ کیا کرے گا اور کیسے یا کہاں پہنچایا گیا ہے۔“ عنبر نے کہا۔

”لیکن ہمیں اتنا ضرور ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اگر یہ وہی ناگ ہے جو پُراسرار گانا گاتا ہے، تو یہ کوئی عام ناگ نہیں۔“

”یوں بھی بیگم خان کو شیشے کے ایک گولے کی خاطر سانپ سے ڈسوایا نہیں جاسکتا۔“ جاوید نے کہا۔ ”میری پھوپھی اتنی ظالم نہیں ہیں۔“

”یہی تو میں کہہ رہا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”یہ ناگ جس کا ذکر شمس نے

پھوپھی سے کیا ہے عام سانپ نہیں ہو سکتا۔"

"ہاں، یہ بات سمجھ میں تو آتی ہے۔" نسیم نے کہا۔ "اب ہم کیا قدم اُٹھائیں گے؟"

"ہمیں مزید قدم اُٹھانے سے پہلے کچھ سوچنا ہو گا۔" عنبر نے کہا۔ "اچّھا جاوید، کل صُبح خفیہ ہیڈ کوارٹر میں پہنچ جانا۔"

اُسی شام عنبر خالہ اور خالُو کے ساتھ شام کا کھانا کھانے کے بعد ٹی وی پر خبر نامہ دیکھ رہا تھا کہ ایک خبر پر اس کی آنکھیں حیرت سے کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ اس خبر میں بتایا گیا تھا کہ آج سہ پہر شاہراہ پر ایک کار بے قابو ہو کر درخت سے ٹکرا گئی۔ کار میں سوار خاتون زخمی ہو گئی ہے اور اس کا نام بیگم خان ہے۔ اُسے شاداب نگر کے سول ہسپتال میں داخل کر دیا گیا ہے، جہاں اُس کی حالت خطرے سے باہر بیان کی جاتی ہے۔

پھوپھی جان کی پریشانی

اس خبر کے بعد عنبر کو رات بھر طرح طرح کے خواب نظر آتے رہے۔ کبھی سانپ، کبھی شمس، کبھی سفید رنگ کے کالے کپڑوں والے آدمی، ۳۰۳ماڈل روڈ مختلف عجیب و غریب عورتیں جو بیگم خان ہو سکتی تھیں۔

صبح وہ دیر سے بستر سے اُٹھا اور ابھی ناشتا کر ہی رہا تھا کہ جاوید آ گیا۔ عنبر نے جلدی جلدی ناشتا ختم کیا اور ابھی وہ اور جاوید خفیہ ہیڈ کوارٹر پہنچے ہی تھے کہ عاقِب اور نسیم آ پہنچے۔

"میں جاناچاہتاہوں کہ پھوُپھی جان کا کیاحال ہے؟"عنبر نے کُرسی پر بیٹھتے ہی کہا۔ "رات خبر تو انہوں نے۔۔۔"

"ہاں، سُن لی تھی اور وہ بہت پریشان نظر آرہی ہیں۔ رات انہوں نے اس خبر کے فوراً بعد ٹی وی بند کر دیا تھااور سیدھی شمس کے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ اندر جاکے انہوں نے زور سے چیخ کر کہا تھا کہ اگر وہ مر جاتی تو کیا ہوتا۔ شمس نے جھپٹ کر دروازہ بند کر دیا، مگر میں دروازے سے کان لگائے اُن کی باتیں سنتارہا۔" جاوید ایک لمحے کو سانس لینے کے لیے رُکا۔

"بولتے رہو۔"عنبر نے کہا۔

"بھئی، سانس تو لینے دو۔" جاوید نے کہا۔ "شمس نے کہا کہ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ بیگم خان کو بولی میں حصّہ لینے سے روک دیا جائے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اب جبکہ انہوں نے وہ چیز دینی ہے، تو بہانے نہ کریں۔"

"پھِر؟"

”پھر پھُوپھی جان اُس کے کمرے سے نکل آئیں۔ اپنے کمرے میں جا کر انہوں نے ایک آدمی کو فون کیا اور کہا کہ انہیں ممتاز صاحب سے بات کرنی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک منٹ بلکہ آدھے منٹ بات کی اور پھر فون بند کر کے بِٹّن کو پکارا۔

بِٹّن کو انہوں نے ایک ڈبّا دیا جسے اُس نے جھٹ اپنے کپڑوں میں چھُپا لیا اور وہاں سے چلا گیا۔ پھُوپھی جان نے اُس سے کیا کہا، میں سُن نہیں سکا لیکن چند ہی لمحے بعد شمس پھُوپھی جان کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ انہوں نے بِٹّن کو کہاں بھیجا ہے۔“

”تو کیا پھُوپھی جان نے اُسے بتایا؟“

”نہیں، پھُوپھی جان نے اُسے پوری بات نہیں بتائی۔ صرف یہ کہا کہ اُن کا دل گھبرا رہا تھا اور وہ اُن کے لیے دوا لینے گیا ہے۔“

”پھر؟ کیا وہ دوا۔۔۔“

”ہاں، وہ دوا لے آیا۔“ جاوید نے کہا۔ ”اور جب شمس نے اُسے آتے ہوئے دیکھا تو پاؤں پٹختا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔“

”گویا پھوپھی نے وہ ڈبّا کسی ممتاز کے پاس بھیجا اور یہ کام شمس سے چھپ کر جلدی سے کیا۔“ عنبر نے کہا۔ ”آخر اس ڈبّے میں ایسی کون سی قیمتی شے تھی؟“

”میں جانتا ہوں۔“ جاوید نے اطمینان سے کہا۔

”کیا؟“ تینوں سُراغ رسانوں نے حیرت سے ایک دم کہا۔

”میری امّی کا خاندانی ہیروں کا ہار۔“ جاوید نے کہا۔

”تو ممتاز صاحب کو بھی تم جانتے ہو گے؟“ عنبر نے کہا۔

”ہاں، وہ جوہری ہیں اور اُن کی دُکان کا نام ممتاز اینڈ برادرز جیولرز ہے۔“ جاوید نے کہا۔ ”پھوپھی جان سو گئیں تو میں نے تجوری کے تالے کا صحیح نمبر لگا کے اُسے کھولا۔ اس میں سے یہ ہار غائب تھا۔ پھوپھی جان کو امّی کی

تجوری کے تالے کے صحیح نمبر کا پتا ہے۔"

"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے بِٹّن پر اتنا اعتبار کیسے کر لیا؟" عنبر نے کہا۔ "پرسوں شام ہی تو تُم نے بِٹّن کو نوکر رکھا تھا۔ اتنی جلدی کسی نوکر کو ہیروں کا ہار کیسے دیا جا سکتا ہے؟"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "لیکن اس بات سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ بِٹّن کا شمس سے کوئی تعلّق نہیں ہے۔"

"یہ تو ہے۔" عنبر نے کہا۔ "لیکن جاوید تم فوراً ممتاز اینڈ برادرز سے فون پر معلوم کرو کہ انہیں ہار مل گیا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں تمہیں پھُوپھی جان کی آواز کی نقل اُتارنا ہو گی۔"

"میں ابھی فون کرتا ہوں۔" جاوید نے کہا اور نمبر ملانے لگا۔

فون ممتاز نے خود ہی اُٹھایا اور جواب میں اُسے بتایا کہ ہار چند دِنوں تک صاف ہو جائے گا جس کے بعد وہ خود اُن کے گھر پہنچا دیں گے۔ "تو اس کا

مطلب یہ ہوا کہ بِٹّن اور کچھ ہو نہ ہو چور بالکل نہیں ہے اور پھُوپھی جان اس بات کو جانتی ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "بلکہ میں تو کہوں گا کہ پھُوپھی جان پہلے سے بِٹّن کو جانتی ہیں۔"

"اب ہمیں کیا کرنا ہے؟" نسیم نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو ہمیں بیگم خان سے سے مل کر یہ معلوم کرنا ہے کہ انہیں کس قسم کا سانپ دیا گیا تھا، جس نے اُن کی کار درخت سے ٹکرا دی؟" عنبر نے کہا۔ "میں شام بیگم خان سے ملنے جا رہا ہوں۔"

"لیکن تُم تو انہیں نہیں جانتے؟"

"کوئی بات نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "میں پھِر بھی معلُوم کر لوں گا۔ یہ بات معلوم کرنا بہت ضروری ہے۔"

ناگ اور پہیّا

شام چار بجے کے قریب عنبر ہاتھوں میں ایک پیارا سا گُلدستہ لیے اسپتال پہنچا۔

”مجھے بیگم خان سے ملنا ہے۔“ اس نے نرس کو دیکھتے ہی کہا۔ ”ان کی کار کل سہ پہر ایک درخت سے۔۔۔۔“

”اچھّا اچھّا، وہ بیگم خان۔“ نرس نے کہا۔ ”وہ پرائیویٹ وارڈ کے کمرہ نمبر ۲۰۳ میں ہیں۔“

”سلام بیگم خان!“ عنبر نے کمرے کے اندر جا کر مُسکراتے ہوئے سلام کیا اور گُل دستہ اُن کی طرف بڑھا دیا۔

”وعلیکم، بیٹے۔“ بیگم خان نے کہا۔ ”اس گُل دستے کے لیے بہت بہت شکریہ۔ مگر میں نے تمھیں پہچانا نہیں۔ تم کون ہو؟“

”آپ مجھے نہیں جانتیں۔“ عنبر نے اِطمینان سے کہا۔ ”میں ہسپتال کے پاس سے گُزر رہا تھا کہ ایک لمبے سے، گورے سے آدمی نے مجھے بُلایا اور یہ گُل دستہ مجھے دے کر کہنے لگا کہ اِسے بیگم خان یعنی آپ کو دے آؤ۔“

”اس نے اپنا نام نہیں بتایا؟“ بیگم خان نے حیرت سے کہا۔ ”کمال ہے! کل مجھے جس لڑکے نے سنہرا سانپ لا کر دیا تھا، اس نے بھی یہی کہا تھا۔ بالکل یہی کہا تھا!!“

”کیا بات ہے بیگم خان؟“ عنبر نے دھیرے سے کہا۔ ”کیا آپ پر کس نے سانپ چھوڑ دیا تھا؟“

"ارے نہیں، بھئی۔" بیگم خان نے مُسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میں اصلی سانپ کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ وہ تو ایک کنگن تھا، سانپ کی شکل کا۔ یہ دیکھو، میرے دائیں ہاتھ میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے اچھّا لگا۔ میں نے اِسے پہن لیا۔"

"آپ کہہ رہی تھیں کہ کل جس لڑکے نے۔۔۔" عنبر نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں، میں کہہ رہی تھی۔" بیگم خان نے کہا۔ "کہ کل بھی ایک لڑکا مجھے کنگن یعنی سنہرا سانپ دے گیا اور کہنے لگا کہ اسے ایک لمبے سے گورے شخص نے یہ دیا ہے کہ وہ مجھے پہنچا دے۔ میں نے لڑکے سے پوچھا کہ اس شخص کا نام کیا ہے، تو وہ کہنے لگا کہ اس شخص نے نام نہیں بتایا۔"

"عجیب اتّفاق ہے۔ ہے نا بیگم خان۔" عنبر نے کہا۔ "کیا میں آپ کا یہ کنگن دیکھ سکتا ہوں؟"

"ہاں، لو، میرے ہاتھ میں سے اُتار کر دیکھ لو۔" بیگم خان نے کہا۔

”میرے بائیں ہاتھ میں چوٹ لگی ہوئی ہے۔“

عنبر نے سانپ نما کنگن اُتار کر اُسے غور سے دیکھا پھر اس پر ہاتھ پھیرا اور پھر بیگم خان کے ہاتھ میں پہنا دیا۔

”کنگن تو بہت اچھا ہے۔“

”اور یہ پھُول بھی۔“ بیگم خان نے کہا۔ ”مجھے پھُول بہت اچھے لگتے ہیں۔“

”یہ حادثہ کیسے ہوا؟“ عنبر نے پوچھا۔

”پتا نہیں۔“ بیگم خان نے کہا۔ ”میں ٹھیک ٹھاک چلی جا رہی تھی کہ کار کا دایاں اگلا پہیّا نکل کر دور جا پڑا اور میری کار درخت سے ٹکرا گئی۔ پتا نہیں یہ پہیّا کیسے ڈھیلا ہو گیا تھا۔“

”یہ تو بڑی افسوس ناک بات ہے۔“ عنبر نے منہ لٹکاتے ہوئے کہا۔ ”اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“

”اب تو خاصا فرق ہے۔“ بیگم خان نے کہا۔ ”سب سے بڑھ کہ تو اللہ کا کرم

یہ ہوا کہ میری ہڈّیاں بچ گئیں۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میں دس بارہ دِن میں صحت مند ہو جاؤں گی۔"

"اچھا، خدا آپ کو جلد صحت یاب کرے۔" عنبر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "اب مجھے اجازت دیجیے۔ خدا حافظ۔"

"خدا حافظ، بیٹے۔" بیگم خان نے کہا۔

عنبر دروازے سے نکلتے ہی تیز تیز چلنے لگا۔ اس کے دماغ میں رہ رہ کے ایک ہی بات گونج رہی تھی، ایک ہی سوال پیدا ہو رہا تھا، بیگم خان کو تو سانپ نما کنگن دیا گیا تھا، لیکن ان کا حادثہ پہیّا نکلنے سے ہوا! اور سنہرا کنگن نما سانپ پہیّا نہیں نکال سکتا تھا۔ پھر یہ پہیّا کیسے نکل گیا؟

عنبر اسپتال سے نکلا ہی تھا کہ ایک عجیب و غریب بات اُس نے دیکھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا۔ اُس نے ایک بار تو اپنے بازو پر چٹکی بھی کی، لیکن وہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔

دراصل اسپتال کے قریب ہی کتابوں کی ایک بڑی دکان تھی اور بِٹّن اُس دکان سے تین چار موٹی موٹی کتابیں لے کر نکل رہا تھا! عنبر نے احتیاط سے بِٹّن کا پیچھا کرنا شروع کر دیا کیونکہ وہ جاوید کے گھر کی طرف نہیں، بلکہ فیضی روڈ کی طرف جا رہا تھا، جہاں خوش حال لوگ رہتے ہیں۔ عنبر کے ذہن میں اس وقت رہ رہ کے ایک ہی خیال آ رہا تھا۔ "کیا بِٹّن کسی اور گھر میں بھی کام کرتا ہے، اور جاوید کے ہاں کسی خاص مقصد سے آیا ہے؟"

فیضی روڈ پر پہنچتے ہی بِٹّن کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے کوئی بھولا ہوا کام یاد آ گیا ہو۔ عنبر نے بھی اپنی رفتار تیز کر دی۔ آخر بِٹّن ۳۲ فیضی روڈ پر رُکا۔ اس کوٹھی کے شاید دو حصّے تھے، اور الگ الگ لوگوں کے پاس تھے کیونکہ اُوپر کے حصّے میں جانے کے لیے گیٹ کے ساتھ ہی ایک زینہ تھا۔ اُوپر کی عمارت صرف ایک کمرے اور برآمدے پر مشتمل تھی اور نیچے کا حصّہ خاصا بڑا تھا۔

بِٹّن نے سیڑھیاں چڑھیں اور تالا کھول کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ عنبر

سڑک کے دوسرے کنارے پر بنے ہوئے ایک بس سٹاپ پر لوگوں کی بھیڑ میں کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سوچتا کہ کیا کرنا چاہیے، بِٹّن کمرے سے باہر آیا، دروازے میں تالا لگایا اور پھر تیز تیز سیڑھیاں اُترتا ہوا نیچے آ گیا۔ پھر اُس نے ٹیکسی پکڑی اور وہاں سے واپس چلا گیا۔

عنبر سوچنے لگا کہ یہ کیسا نوکر ہے جس کا اپنا الگ کمرا ہے، کتابیں خریدتا ہے اور ٹیکسی میں بیٹھ کر واپس جاوید کے ہاں چلا جاتا ہے۔ اس سے رہا نہ گیا۔ شام ہو چلی تھی اور چند منٹ بعد تاریکی چھانے والی تھی۔ وہ ایک ہوٹل میں گھُس گیا اور چائے کا آرڈر دیا۔

کوئی آدھ گھنٹے بعد وہ ہوٹل سے باہر نکلا۔ اب شام گہری ہو گئی تھی اور رات کا اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اس نے سڑک عبور کی اور ۳۲ فیضی روڈ کی نِچلی منزل کی گھنٹی بجائی۔

"کیا بات ہے؟" ایک بوڑھی خاتون نے دروازہ کھولا۔ "کس سے ملنا ہے

تمہیں؟"

"جی، اپنے ماموں جان سے۔" عنبر نے اطمینان سے جواب دیا۔

"مگر یہاں تو میں اور میرے لڑکے لڑکیاں رہتے ہیں۔" بوڑھی عورت نے حیرت سے کہا۔ "اور میں تمہیں بالکل نہیں جانتی!"

"جی آپ مجھے نہیں جانتیں، مگر ماموں جان تو اپنے بھانجے کو بہت اچھّی طرح جانتے ہیں۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔

"دراصل وہ اوپر والے حصّے میں رہتے ہیں۔ میں پہلے بھی کئی دفعہ اُن سے ملنے یہاں آیا ہوں۔ لیکن آج ان کے کمرے میں تالا لگا ہوا ہے۔ کیا آپ کو علم ہے کہ وہ کب تک لوٹ آئیں گے؟"

"نہیں۔ وہ ہمیں بتا کے نہیں جاتے۔" بوڑھی عورت نے کہا۔ "بہر حال برآمدے میں بیٹھ کر انتظار کر لو۔"

"جی، وہ تو میں کر ہی لوں گا۔" عنبر نے بجھی ہوئی سی آواز میں کہا۔ "مگر

ماموں جان بھی عجیب ہیں۔ کسی کو بتا کے نہیں جاتے کہ کہاں جا رہے ہیں۔ کمال ہے!"

بوڑھی خاتون نے عنبر کے بڑبڑانے کی پروانہ کی اور دروازہ بند کر لیا۔ دروازہ بند ہوتے ہی عنبر کے چہرے پر مُسکراہٹ تیرنے لگی اور وہ بڑے اطمینان سے سیڑھیاں چڑھنے لگا، کھَٹ، کھَٹ، کھَٹ۔

اُوپر جا کر اس نے دروازے کا جائزہ لیا۔ تالا چین کا بنا ہوا تھا اور بہت مضبُوط تھا۔ اب اس نے کمرے کے پہلو میں بنے ہوئے بر آمدے کا جائزہ لیا، مگر وہاں سوائے ایک میز اور دو کُرسیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اچانک وہ چونک اُٹھا۔ کمرے کی ایک کھڑکی بر آمدے میں کھلتی تھی اور اس کا ایک پٹ تھوڑا سا کھُلا ہوا تھا۔ لگتا تھا کہ بِٹّن نے اِدھر دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

عنبر نے پٹ کو دھکیلا اور کمرے کے اندر چلا گیا۔ اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

جاوید کے نوکر بِٹّن کا کمرا ایک پڑھے لکھے کا کمرا نظر آ رہا تھا۔ میز پر کُچھ

فائلیں اور کچھ کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ عنبر نے کتابوں کا جائزہ لیا۔ کچھ کتابیں انگریزی کی تھیں اور کچھ اُردُو کی اور سب کی جادُو، ٹونے، کالے علم، چڑیلوں، جادُوگروں اور جادُوگرنیوں کے بارے میں تھیں۔

اب اس نے فائلوں کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ایک فائل پر لکھا ہوا تھا، ”فیصل آباد میں کاروائیاں۔“ اس فائل میں چند لوگوں کے نام اور پتے لکھے ہوئے تھے جن کے بارے میں آگے چل کے کچھ اور باتیں درج تھیں۔ عنبر نے یہ فائل رکھ کر دوسری اُٹھائی۔ اس میں چڑیلوں اور جادُوگرنیوں کے بارے میں کچھ باتیں لکھی ہوئی تھیں۔ ایک اور فائل میں لکھا ہوا تھا۔ ”شاداب نگر۔“ عنبر نے جھٹ سے اِس فائل کو اُٹھالیا اور اُسے غور سے پڑھنے لگا۔ فائل میں کئی لوگوں کے نام اور پتے تھے جن میں جاوید کی پھوُپھی، ندیم، عذرا اور شمس کے نام بھی شامل تھے۔

عنبر کا دل دھک دھک کرنے لگا!

اس فائل میں اُن لوگوں کے بارے میں کافی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔

اُن کے پتوں کے علاوہ اُن کی جائیدادوں کی تفصیل اور کاروبار سے متعلّق باتیں بھی درج تھیں۔ عنبر نے فائل بند کر کے کمرے کی ایک الماری کو دیکھا۔ اس میں کتابوں کے علاوہ ایک ٹیپ ریکارڈر بھی تھا جس میں ایک کیسٹ لگا ہوا تھا۔ اس نے کیسٹ کو ذرا سا پھیر کر سوئچ آن کیا تو وہ یہ سُن کر حیران رہ گیا کہ اس میں جاوید کے گھر میں ہونے والی ساری پُراسرار کارروائی بھری ہوئی تھی۔ وہ تمام باتیں جو جاوید کے گھر پُراسرار میٹنگ میں عنبر نے اپنے کانوں سُنی تھیں، اس ٹیپ میں لفظ بلفظ موجود تھیں۔ جب ٹیپ میں پُراسرار گانے کی سی آواز آنے لگی تو عنبر نے ٹیپ ریکارڈ بند کر دیا اور کیسٹ کو ریکارڈر میں سے نکال لیا۔ لیکن ابھی وہ مُڑا ہی تھا کہ اُس نے دیکھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور بِٹّن غضّیلی نگاہوں سے اُسے گھور رہا ہے، جیسے کچّا ہی چبا جائے گا!

عنبر کی آنکھوں کے آگے ایک لمحے کو اندھیرا سا چھا گیا!

ہار کا چکّر

عنبر نے سر کو ہلکا سا جھٹکا دیا اور بولا۔ ”مجھے بالکل پتا نہیں تھا ماموں جان، کہ آپ چھُپے رستم ہیں!“

”یہ۔۔۔ یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم؟“ بِٹّن دھاڑا۔ ”چوری اور اُوپر سے سینہ زوری!“

”چیخئے نہیں، ماموں جان۔“ عنبر نے اطمینان سے کہا۔ ”آپ نہیں جانتے، مگر نیچے والے لوگ جانتے ہیں کہ میں آپ کا بھانجا ہوں۔ اور اگر آپ نے

ذرا بھی جھگڑا کیا تو آپ بھی اپنا دامن نہیں بچا سکیں گے۔ آپ کی ٹیپ میرے ہاتھ میں ہے، اور کسی کے گھر میں داخل ہو کر اُس کی باتیں ٹیپ کرنا جرم ہے۔ شاید آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ کسی کے گھر میں بھیس بدل کر نوکر بننا بھی انعام کا کام نہیں ہے اور شاید آپ۔۔۔۔"

"بس! بس کرو!" بِٹّن کی آواز اب دھیمی ہو گئی تھی۔ "میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ بس میری ٹیپ واپس کر دو۔"

"پہلے اپنے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ کہ ٹیپ لینے کے بعد مجھے جانے دو گے۔" عنبر نے کہا۔

"اور اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم۔۔۔۔۔" بِٹّن نے کچھ کہنا چاہا مگر عنبر اسے چُپ ہونے کا اشارہ کرتے ہوئے بول پڑا۔ "دیکھو بِٹّن! تم اور میں دراصل برابر کے مُجرم ہیں۔ ہم دونوں بلا اجازت دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے مجرم ہیں۔ میں تمہیں معاف کرتا ہوں اور تم مجھے معاف کر دو۔"

"کر دیا۔" بِٹّن نے کہا۔ "مگر میرا کیسٹ؟"

"پہلے مجھے زینے سے نیچے اُترنے دو۔" عنبر نے کیسٹ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "میں آخری سیڑھی پر جا کر کیسٹ تمہارے پاس پھینک دوں گا، اور تم کیچ کر لینا۔"

"مجھے منظور ہے۔"

"اچھا، تو راستہ دو۔"

بِٹّن نے راستہ دے دیا اور عنبر نے زینہ اُترنے کے کیسٹ ہوا میں اُچھالتے ہوئے کہا۔ "خدا حافظ، ماموں جان!"

"خدا حافظ، بھانجے!" بِٹّن کیسٹ کیچ کر کے بولا۔ اور پھر دانت بھینچتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "بھانجے کے بچّے!"

عنبر وہاں سے نکل کر تیر کی طرح سیدھا جاوید کے ہاں پہنچا۔ جاوید اور پھوُپھی جان اس وقت شام کا کھانا کھا رہے تھے۔

”آؤ عنبر۔“ جاوید نے کہا۔ ”کھانا کھاؤ۔“

عنبر نے پوچھا۔ ”تم نے آج خود کھانا لگایا ہے؟“

”نہیں۔ بِٹّن کھانا لگانے کے بعد ابھی ابھی چھٹّی لے کر کہیں گیا ہے۔“ جاوید نے کہا۔ ”مگر تُم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟“

”ایسے ہی۔“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”دراصل بِٹّن یہاں نظر نہیں آرہا تھا نا۔ میں سمجھا کہ وہ بھی شاید نوکری چھوڑ کر بھاگ گیا ہے؟“

”نہیں بھئی۔“ پھوُپھی جان نے کہا۔ ”بِٹّن میں ایک بات لاکھ روپے کی ہے کہ وہ بڑا وفادار ملازم ہے۔“

”اچھا جاوید، میں گھر جا رہا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”تم کل صبح آؤ گے نا؟ ضرور آنا، کیرم کھیلیں گے۔“

”ضرور آؤں گا۔“ جاوید نے مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔ ”تم تو ہر گوٹ کو نگاہ میں رکھتے ہو۔“

"بھئی یہی تو کیرم کا سب سے اہم اُصول ہے"۔ عنبر مُسکراتے ہوئے بولا۔ "تمہیں بھی ہر گوٹ پہ نظر رکھنی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" جاوید نے کہا۔ "میں صبح ناشتے کے بعد تمہارے ہاں پہنچ جاؤں گا۔"

ناشتے سے فارغ ہوتے ہی جاوید سیدھا عنبر کے ہاں پہنچا۔ عنبر اُسے توقع کے مطابق، خفیہ ہیڈ کوارٹر میں ہی ملا۔ مگر عاقِب اور نسیم وہاں نہ تھے۔ وہ اکیلا ہی تھا۔

"سُناؤ کیا رپورٹ ہے؟" جاوید نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

"پہلے تم بتاؤ کہ رات بِٹّن واپس آ گیا تھا؟" عنبر نے پوچھا۔

"نہیں وہ اب تک نہیں آیا۔" جاوید نے کہا۔ "مگر تم کیسے۔۔۔۔"

"اب وہ آئے گا بھی نہیں۔" عنبر نے کہا اور جاوید کو رات والی تمام بات بتا دی۔

”اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں۔“عنبر نے کہا۔ ”کہ پھوپھی جان کی کیا حالت ہے؟“

”وہ بیگم خان کے حادثے کا ذمّہ دار اپنے آپ کو سمجھتی ہیں۔“ جاوید نے کہا۔ ”کل اُنہوں نے اسپتال فون کر کے نرس سے کئی بار اُن کی طبیعت کا حال دریافت کیا۔“

”کیا رات بھی کوئی پُراسرار گانے کی آواز آئی؟“

”نہیں، رات تو بالکل سکون سے گزری۔“ جاوید نے کہا۔ ”البتّہ صُبح ہی صُبح ایک آدمی ممتاز اینڈ برادرز کے ہاں سے آیا تھا اور وہ ہیروں کا ہار واپس دے گیا ہے۔ اس نے کہا کہ اس کی صفائی ہو گئی ہے۔“

”ایک منٹ۔“عنبر نے کہا۔ ”میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شمس اس وقت گھر پر ہی تھا؟“

”نہیں، آج صبح اس نے کہا کہ پہلے وہ اپنی حجامت بنوائے گا اور پھر ناشتا

کرے گا۔ جب وہ حجامت بنوائے چلا گیا تو پھوپھی جان نے ممتاز صاحب کو فون کیا۔"

"ایک منٹ۔" عنبر نے پھر کہا۔ "تم نے انہیں نمبر ڈائل کرتے دیکھا تھا؟"

"نہیں۔" جاوید نے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ اُنہوں نے ممتاز صاحب ہی کو فون کیا تھا، کیونکہ فون کے دس بارہ منٹ بعد ایک شخص ہار واپس دے گیا۔"

"اور شمس؟" عنبر نے کہا۔ "وہ واپس آگیا ہے؟"

"واپس؟" جاوید نے کہا۔ "وہ ہار آنے کے چند ہی منٹ بعد واپس آگیا تھا اور کہتا تھا کہ اس کے پسندیدہ ہیئر ڈریسر کی دُکان میں بھیڑ بہت تھی، پھر کسی وقت حجامت بنوائے گا۔"

"خوب!" عنبر نے کہا۔ "اب مجھے یہ بتاؤ کہ ہار جانے اور آنے کا پتا شمس کو

تو نہیں لگا؟"

"اُوں ہوں۔" جاوید نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ عاقِب اور نسیم۔۔۔۔۔"

"یہ ہمارا ذکر کون کر رہا ہے، بھئی؟" نسیم نے اندر آتے ہوئے کہا۔ "ہم حاضر ہیں؟ کیا خبر لائے؟" عنبر نے بے صبری سے پوچھا۔

"بِٹّن وہ مکان چھوڑ کر چلا گیا ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "یہ بات ہمیں اُسی بوڑھی خاتون نے بتائی ہے۔"

"اس کا کچھ پتا نہیں چلا کہ وہ کہاں گیا ہے؟" عنبر نے پوچھا۔

"نہیں۔" نسیم نے کہا۔ "وہ خاتون کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنے کرائے داروں سے کرائے کے علاوہ اور کسی قسم بات نہیں کرتیں۔ اور وہ شخص اُن کو تین ماہ کا پیشگی کرایہ دے چکا تھا، لیکن ایک مہینہ پہلے ہی بھاگ گیا۔"

"تم نے اُس کا نقصان کرا دیا۔" جاوید ہنسنے لگا۔

عنبر نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں سے نِچلے ہونٹ کو مسلتا رہا۔ وہ ایسا اس وقت کیا کرتا تھا جب کسی گہری سوچ میں ہو۔

چند لمحے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں مکمل خاموشی رہی۔ پھر اچانک عنبر نے ہونٹ چھوڑ کے دائیں ہاتھ سے چٹکی بجائی۔ ''جاوید! تم ایک کام کرو گے۔''

''بولو!'' جاوید نے کہا۔ ''میں اپنی پھوپھی جان کو اُس پُراسرار چکّر سے نکالنے کے لیے ایک کیا کئی کام کر سکتا ہوں۔''

''تم مجھے اپنی امّی کا ہیروں والا ہار لا کے دو گے۔''

جاوید نے آہستہ سے کہا۔ ''کب؟''

''جتنی جلدی ہو سکے۔''

''تو تم لوگ یہیں انتظار کرو۔ میں ابھی لایا۔''

''مگر ایک بات کا دھیان رہے۔'' جاوید نے اُسے خبردار کیا۔ ''پھوپھی جان

یا شمس کو ہار کے بارے میں ذرا بھی شُبہ نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" جاوید نے اُٹھتے ہوئے کہا اور پھر اُس نے پاس پڑی ہوئی روشنائی کی دوات اُٹھا کے اپنے کپڑوں پر گرا لی۔

"میں ذرا گھر جا کے کپڑے بدل آؤں، کیرم کھیلتے وقت روشنائی کپڑوں پر گر پڑی ہے۔" عنبر، نسیم اور عاقِب جاوید کی ہوشیاری پر مُسکرانے لگے۔

جاوید کے جاتے ہی عنبر نے کِنگ موٹر کمپنی کو ٹیلی فون کیا کہ اللہ داد کے ہاتھ مرسیڈیز کار کریم انٹرپرائز بھجوا دیں۔ وہاں سے جواب آیا کہ چند منٹ میں کار پہنچ جائے گی۔

جاوید اور اللہ داد تقریباً ساتھ ساتھ ہی وہاں پہنچے۔ "سلام صاحب۔" اللہ داد نے کہا۔

"بھئی میں نے کتنی بار کہا ہے کہ ہمیں صاحب نہ کہا کرو۔" عنبر نے کہا۔

"اوہ! معاف کرنا صاحب، بھُول گیا تھا صاحب۔" اللہ داد نے گھبراتے

ہوئے کہا۔ سب اس کی اس بے ساختہ حرکت پر ہنسنے لگے۔

"آپ کو کہاں جانا ہے؟" اللہ داد نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"اس وقت ہم تمہیں ہی ایک جگہ بھیج رہے ہیں۔" عنبر نے کہا، "یہ ایک ہار ہے۔" اُس نے جاوید سے ڈبّا لے کہ اللہ داد کو دے دیا۔ "تم اسے شہر کے چند جوہریوں کے پاس لے جاؤ گے، مگر مُمتاز اینڈ برادرز کے پاس نہیں۔"

"جی!" اللہ داد نے کہا۔

"پھر؟"

"تم اُن سے کہو گے کہ یہ ہار تمہارے صاحب نے تمہیں دیا ہے تاکہ اس کی قیمت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ تمہارے صاحب یہ ہیروں کا ہار اپنے ایک دوست سے خریدنا چاہتے ہیں، جو اُسے بیچ کر انگلستان جارہا ہے۔ سمجھ گئے نا؟"

"جی سمجھ گیا، صاحب!" اللہ داد نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"پھر وہی صاحب۔" نسیم نے کہا اور سب کو ایک دم ہنسی آ گئی۔ اللہ داد نے کار اسٹارٹ کی اور چلا گیا۔

"میں ایک خبر بھی لے کر آیا ہوں۔" جاوید نے کہا۔

"کیا؟" عنبر بولا۔ "جلدی بتاؤ۔"

"وہی میٹنگ۔" جاوید نے کہا۔ "آج رات ۱۰ بجے پھر ۵۰۳ ماڈل روڈ پر میٹنگ ہو رہی ہے اور سارے لوگ وہاں جمع ہو رہے ہیں۔"

"بہت خوب!" عنبر نے کہا۔ "اس بار ہم مکان کے اندر ضرور جائیں گے۔"

"اب کے میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گا۔" جاوید نے کہا۔ "تم لوگ میرے لیے اِتنی اِتنی شکلیں جھیل رہے ہو، میں اپنی پھُوپھی جان کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا؟"

”وہ تو سب ٹھیک ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”مگر۔۔۔۔۔“ اگر مگر کچھ نہیں.
جاوید نے کہا. میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا۔“

”اچھا، چلنا۔“ عنبر نے کہا۔ ”اب تو خوش ہو؟ ہم چاروں بتّی والے چوک
میں رات کے نو بجے جمع ہو جائیں گے اور ۲۷۵ ماڈل روڈ تک ٹیکسی میں
چلیں گے۔ اس کے بعد پیدل۔“

”کیوں نہ ہم اس رات کی طرح اللہ داد کی کار میں۔۔۔۔“ نسیم نے کہنا
شروع کیا۔

”نہیں، آج ہم بھاگنے کے ارادے سے نہیں جائیں گے۔“ عنبر نے جلدی
سے کہا۔

اسی لمحے اللہ داد واپس آیا اور ہار کا ڈبّا عنبر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔
”یہ آپ نے کیا مذاق کیا تھا، صاحب؟ سب جوہریوں نے یہی کہا کہ ہار
بُہت خوب صورت ہے مگر اصلی نہیں، نقلی ہے!“

ناگ درشن

رات کے ساڑھے نو بجے تھے اور ننھے سُراغ رساں جاوید سمیت اس وقت ۳۰۳ ماڈل روڈ کے باہر پہنچ گئے تھے۔ تین چار آدمی اب تک مکان کے اندر جا چکے تھے۔ طریقہ تھا، پہلے آنے والا شخص گیٹ کے پاس بنے ہوئے اُونچے طاق میں سے ٹیلی فون اُٹھاتا، اُدھر سے کُچھ سُن کہ کچھ کہتا اور پھر گیٹ کھُل جاتا۔ اس آدمی کے اندر جاتے ہی گیٹ خود بخود بند ہو جاتا۔

"تم لوگ اِدھر کسی کار کے پیچھے چھُپ جاؤ۔" عنبر نے اپنے ساتھیوں سے

کہا۔ ”میں ابھی ایک ترکیب کرتا ہوں۔“

وہ اس مقصد کے لیے ترکیب سوچ چکا تھا اور اگلے آدمی کا انتظار کر رہا تھا۔ جب دوسرا آدمی کار سے اُتر کر گیٹ کی طرف بڑھا تو عنبر دوسری طرف سے اس انداز سے چلتا ہوا اُدھر آیا جیسے اُسے کسی مکان کی تلاش ہے۔

عنبر کے چہرے پر لاپرواہی چھائی ہوئی تھی لیکن اس کے کان اُس شخص کی طرف لگے ہوئے تھے۔ اُس شخص نے ٹیلی فون اُٹھایا، دوسری طرف سے کُچھ سنا اور کہا۔ ”میں اندھیرے کمرے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔“

عنبر عین اُسی لمحے اُدھر سے گزرا اور اس شخص کے کچھ بولنے سے پہلے ہی کہنے لگا۔ ”معاف کیجیے، صاحب۔ مجھے ۲۹۹ ماڈل روڈ جانا ہے۔“

گیٹ کھُل چکا تھا۔ وہ آدمی بولا۔ ”مجھے معلوم نہیں۔“ اور جلدی سے گیٹ کے اندر چلا گیا۔ گیٹ بند ہو گیا۔

عنبر تیز تیز چلتا نسیم، عاقِب اور جاوید کے پاس گیا اور پھر وہ چاروں گیٹ

کے پاس آ گئے۔ عنبر نے ٹیلے فون اُٹھایا۔ ”رات اندھیری ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں اندھیرے کمرے کی سیر کرنا چاہتا ہوں۔“ عنبر نے بھاری آواز میں کہا۔ دروازہ کھُل گیا۔

”چلو۔“ عنبر نے جلدی سے کہا اور سب اندر داخل ہو گئے۔ اُن کے اندر جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔

۳۰۳ ماڈل روڈ ایک خاصا بڑا مکان تھا اور اس کے چاروں طرف لان تھا جس میں کافی درخت اور پودے اُگے ہوئے تھے۔ جاوید اور ننھے سُراغ رسانوں کو اِن درختوں بہت فائدہ ہوا۔ وہ جھٹ پٹ اُن میں چھپ گئے۔

”ہم اندر نہیں چلیں گے؟“ جاوید نے کہا۔ اُس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

”ہم چند منٹ کے بعد اندر جانے کی کوشش کریں گے۔“ عنبر نے جواب دیا۔ ”ابھی کچھ اور لوگ آئیں گے، کیونکہ ابھی دس نہیں بجے اور میں یہ

نہیں چاہتا کہ ہم درمیان ہی میں پکڑے جائیں۔ جب دس بج جائیں گے اور میٹنگ شروع ہو جائے گی تو پھر اندر جانے کی کوشش کریں گے۔"

عنبر کا خیال بالکل صحیح تھا۔ آخری آدمی ۱۰ بجنے میں ۵ منٹ پر آ گیا۔ جب دس بج کر پانچ منٹ ہو گئے تو عنبر نے کہا۔ "آؤ، اب مکان کے اندر جانے کے لیے کوئی راستہ تلاش کریں۔ ہمیں مکان کی پچھلی طرف جانا ہے۔"

یہ لوگ درختوں اور پودوں کی آڑ لیتے ہوئے دائیں طرف کو بڑھنے لگے اور آہستہ آہستہ مکان کی پچھلی طرف آ گئے۔

اب یہ لوگ کسی راستے کی تلاش میں تھے، مگر یہاں کوئی دروازہ نہ تھا۔ چند کھڑکیاں تھیں، جن کے کواڑ بند تھے۔

"روشن دان!" عنبر نے سرگوشی میں کہا۔ "ہم میں سے ایک روشن دان کے اندر ہاتھ دے کر کھڑکی کی چٹخنی کھولے گا اور پھر ہم سب کھڑکی کے راستے اندر جائیں گے۔"

"مگر یہ کام کرے گا کون؟" نسیم نے کہا۔

"تم۔" عنبر نے کہا۔ "تم پھُرتیلے ہو اور دُبلے پتلے بھی۔"

"کاش میں موٹا ہوتا!" نسیم نے بڑی حسرت سے کہا۔ "کم از کم موت کے منہ میں جانے سے تو بچ جاتا۔"

"میں جاتا ہوں۔" جاوید نے کہا۔ "بے چارے نسیم کو نہ۔۔۔"

"یہ اس کی عادت ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اونٹ پر سامان لادو تو وہ بڑبڑاتا ہے۔"

"میں جاتا ہوں۔" نسیم نے کہا۔ "تم مجھے اونٹ نہ بناؤ بابا۔"

عاقِب چاروں ہاتھ پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور نسیم اس کی کمر پہ چڑھ کر روشن دان میں لٹک گیا۔ ذرا سی محنت سے کھڑکی کی چٹخنی کھُل گئی اور یہ لوگ کھڑکی کے راستے اندر داخل ہو گئے۔ اندر بالکل اندھیرا تھا۔ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔

"ہمیں احتیاط سے کام لینا ہو گا۔ ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھو۔" عنبر نے کہا۔

"مگر کدھر؟"

"جدھر سے آواز آئے۔ پہلے چند منٹ رُک کر آوازیں سننے کی کوشش کرو، اس دوران میں ہماری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو جائیں گی اور تھوڑا بہت نظر آنے لگے گا۔" عنبر نے کہا۔

اس نے صحیح کہا تھا۔ چند لمحے رُکنے کے بعد اُن کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہو گئیں اور اُنہیں ہلکی ہلکی آواز میں بھی آنے لگیں۔ اب وہ بڑی احتیاط سے اس کمرے کی طرف بڑھنے لگے جہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔

"سب لوگ جمع ہو گئے ہیں۔ تشریف لے آیئے!" یہ شمس کی آواز تھی۔

عنبر، نسیم، عاقِب اور جاوید اس کمرے کے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے کواڑ کو ہلکا سا کھولا۔ اس پر پردہ پڑا ہوا تھا جس سے کمرے میں موجود لوگ انہیں نہیں دیکھ سکتے تھے۔ کمرے کے اندر ایک لمبی سی میز تھی اور اس میز پر کالے رنگ کی چند موم بتّیاں جل رہی تھیں۔ میر کے

اردگرد بارہ آدمی کھڑے تھے۔ ان میں شمس، عذرا، ندیم کے علاوہ وہ خاتون بھی تھی جو پھوپھی کی مجلس میں شریک تھی۔ شمس کے عین سامنے، میز کے دوسری طرف ایک کرسی رکھی ہوئی تھی۔ وہ اس انداز کی بنی ہوئی تھی جیسے کسی بادشاہ کا تخت ہو۔ میز کے گرد تمام لوگ خاموش کھڑے تھے!

"سب لوگ جمع ہو چکے ہیں۔ تشریف لے آیئے؟" شمس نے پھر کہا۔

یکایک قدموں کی آہٹ ہوئی، سامنے والی دیوار کے دروازے کا پردہ ہلا اور ایک پُراسرار سا شخص اندر آگیا۔ اس کا رنگ شمس سے بھی زیادہ گورا تھا۔ یُوں لگ رہا تھا جیسے اس کا چہرہ چمک رہا ہو۔ اُس نے سر سے پاؤں تک سیاہ لبادہ پہنا ہوا تھا۔ اس کے آتے ہی کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔

چمک دار پُراسرار شخص اندر آکر تخت نما کُرسی پر بیٹھ گیا اور سر کے اشارے سے سب لوگوں کو بیٹھ جانے کے لیے کہا۔ تمام لوگ خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اب شمس نے ایک پیالہ میز کے نیچے سے اُٹھایا

اور کالے لبادے والے شخص کو دے دیا۔ اُس نے ایک گھونٹ پی کر شمس کو واپس کر دیا۔ اسی طرح سب نے اس پیالے سے ایک ایک گھونٹ پی لیا تو اس شخص نے کہا۔ ”شیطان ہماری مدد کرے گا! ناگ بھی ہماری مدد کرے گا۔ ایک کا فائدہ سب کا فائدہ ہے اور ایک کا نقصان سب کا نقصان ہے!“ ”کیا اب درخواست پیش کرنے کی اجازت ہے؟“ ندیم نے کہا۔ تینوں سُراغ رساں اس شخص کو پھوُپھی کے ہاں دیکھ چکے تھے۔

”تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں۔“ کالے لبادے والے شخص نے کہا۔ ”آج ناگ خود آنے والا ہے، وہ خود تمہاری آرزو جان لے گا۔ اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ شمس! اِدھر آؤ اور کڑاہی لاؤ۔“

شمس پہلو کے ایک کمرے میں سے ایک ٹرے جیسی کڑاہی لے آیا۔ اس کڑاہی میں تیل سے ملتی جلتی کوئی شے تھی۔ اس نے کڑاہی میز پر رکھ دی۔ کالے لبادے والے شخص نے اپنا دایاں ہاتھ کڑاہی کے اُوپر لہرایا۔ اچانک کڑاہی کے اندر سے دھواں اُٹھنا شروع ہو گیا۔ یہ دھواں پہلے ہلکا

تھا، پھر آہستہ آہستہ گاڑھا ہوتا چلا گیا۔

پھر اچانک ایک پُراسرار سی آواز آنے لگی! وہی گنگنانے کی سی آواز! خوف ناک پُراسرار آواز، جو عجیب سی تھی، جسے بیان کرنا ناممکن نہیں تو مُشکل ضرور تھا!

یکایک اس آواز میں زور پیدا ہو گیا اور ننھے سُراغ رسانوں اور جاوید نے کڑاہی میں سے پیدا ہونے والے دھوئیں کے مرغولوں میں ایک ناگ کو لہراتے دیکھا!

نسیم نے سہم کہ عنبر کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جاوید بھی گھبرا گیا۔ اس نے عاقِب کا ایک ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ناگ اپنا پھن پھیلائے اِدھر اُدھر جھُوم رہا تھا، لہرا رہا تھا!

تب عنبر، نسیم، عاقِب اور جاوید پر یہ راز کھلا کہ وہ پُراسرار آوازاِسی سانپ کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مستی میں کچھ گنگنا رہا ہو!

آہستہ آہستہ گنگنانے کی یہ آواز مدھم ہونے لگی۔ پھر کڑاہی میں سے اُٹھنے والا دھواں غائب ہو گیا اور اُس کے ساتھ ہی ناگ بھی پُراسرار طور پر غائب ہو گیا۔

"اب ناگ کے درشن ہو چکے ہیں۔" کالے لبادے والے شخص نے کہا۔ "ندیم! تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"اسی لمحے ایک شخص اندر آیا اور کالے لبادے والے شخص کے کان میں کچھ کہنے لگا۔

"نہیں۔ ہم پورے ہیں۔" کالے لبادے والے شخص نے کہا۔ "تم خود گِن سکتے ہو۔"

شمس آگے بڑھا اور بولا۔ "میں اور یہ خاتون ساتھ آئے ہیں۔"

"میں حساب لگا چکا ہوں۔" آنے والے شخص نے کہا۔ "مگر یہاں بارہ لوگ ہیں۔ اس طرح مجھے دروازہ گیارہ مرتبہ کھولنا چاہیئے تھا۔ لیکن دروازہ

بارہ ہی مرتبہ کھولا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کوئی فالتو شخص بھی موجود ہے!"

"اس کا حساب بہت تیز ہے۔" عنبر نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔ "تم تینوں دیوار پھاند کر بھاگ جاؤ، مگر خوب دھما چوکڑی مچانا، تاکہ خطرے کا الارم بجے، بلب جلیں۔"

"اور تم؟"

"جب تم بھاگ جاؤ گے تو یہ لوگ بے فکر ہو کے اپنے اصل روپ میں آ جائیں گے، اور میں یہی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اچھا، آج کی یہ، میٹنگ اب ختم ہوتی ہے۔" کالے لبادے والے شخص نے کہا۔ "اب آپ لوگ جا سکتے ہیں۔"

اِدھر یہ لوگ دروازے کی طرف بڑھے اور اُدھر تینوں لڑکے شور مچاتے ہوئے بھاگے۔

جب وہ دیوار پر چڑھے تو الارم بھی بجا اور بلب بھی چلے۔ خوب ہنگامہ ہوا۔ عنبر یہی چاہتا تھا۔

پندرہ بیس منٹ بعد ہنگامہ ختم ہوا اور سب لوگ چلے گئے تو عنبر نے دیکھا کہ بڑی میز والے کمرے میں کالے لبادے والا آدمی پھر آ گیا ہے، مگر اب اس نے لبادہ اُتار دیا تھا اور سبز رنگ کا قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گیا، ٹانگیں میز پر رکھ لیں اور آنکھیں بند کر لیں۔ چند لمحوں بعد ایک اور شخص اندر آیا۔ اُس نے دیوار پر لگے سوئچ کو آن کر دیا اور کمرے میں بجلی کا بلب جل اُٹھا۔ اب اُس نے ساری موم بتّیاں ایک ایک کر کے بُجھا دیں اور ایک کرسی گھسیٹ کر دوسرے آدمی کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ ”سو گئے بقناطوس؟“

”نہیں ملّو۔“ بقناطوس نے کہا۔ ”میں ذرا تھک گیا تھا۔ کون تھا؟ پکڑا گیا؟“

”نہیں۔۔۔ تین چھوکرے تھے۔۔۔ بھاگ نکلے، دیوار پھلانگ کر۔“ ملّو نے کہا۔

"اوہ!" بقناطوس نے جیب سے رومال نکال کر منہ پونچھتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے ٹیلے فون کا انتظام صحیح نہیں۔"

"پھر ہمیں کوئی اور انتظام کرنا ہو گا۔" ملّو نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں کہ ہم لوگوں کو اب کسی اور جگہ جا کر کام کرنا چاہیے۔ کیوں نہ کراچی چلیں؟"

"نہیں۔" بقناطوس نے کہا۔ جوں جوں وہ رومال اپنے چہرے پر پھیرتا جا رہا تھا، اس کے منہ پر سے نقلی رنگ روپ اُترتا جا رہا تھا۔ "اب ہمیں محنت کا پھل ملنے والے ہے۔"

بقناطوس نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ "ہم پکی پکائی روٹی چھوڑ کر کراچی کیسے چلے جائیں؟"

"لیکن یہاں ہم لوگوں کی نظروں میں آ گئے ہیں۔" ملّو نے کہا۔ "اس دِن بھی ایک دو لڑکے آ گئے تھے اور آج پھر چند لڑکے۔۔۔۔"

"لڑکے، لڑکے ہی ہوتے ہیں۔" بقناطوس نے کہا۔ "ہمیں اُن سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اب دیکھو نا عذرا ہمیں پہلے ہی معقول پیسے دے چکی

ہے۔ ادھر شمس جاوید کی پھوپھی سے موٹی رقم ہتھیانے والا ہے۔ اور اب ندیم کی سامنے والی دکان کا ہم دیوالیہ نکلوا دیں گے تو وہ ہمیں بھاری رقم دے گا۔"

"لیکن ہم اس کا دیوالیہ کیسے نکلوائیں گے؟" ملّو نے فکر مند ہو کر کہا۔ "کیا بیگم خان کی طرح اُس سامنے والے دکان دار کی کار کا بھی حادثہ کرائیں گے؟"

"نہیں۔" بقناطوس نے دایاں ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔ "تم ابھی بچّے ہو۔"

"کیا مطلب؟" ملّو نے چِڑ کر کہا۔

"مطلب یہ کہ اس بار ایک اور ترکیب استعمال کی جائے گی۔ لیکن اب کے سانپ پہنچانے کا کام ندیم خود کرے گا۔ اس طرح وہ ہمارے جادُو کا زیادہ قائل ہو جائے گا اور اس سے زیادہ سے زیادہ مال جھاڑا جا سکے گا۔"

اچانک عنبر کی ناک میں نہ جانے کیا ہوا۔ اُسے زور کی چھینک آگئی۔

"ہاپ چھیں!" وہ بھاگتے ہوئے چھینکا۔

"ارے! اسے پکڑو!" یہ بقناطوس کی آواز تھی۔

عنبر نے بگٹٹ بھاگنا شروع کر دیا ایک کمرے سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے میں۔ آخر میں وہ سامنے والے دروازے سے نکل کے لان میں آ گیا۔ ابھی تک ملّو باہر نہ آیا تھا۔ عنبر نے موقع کو غنیمت سمجھا اور دیوار کی طرف دوڑ لگا دی۔ لیکن اس سے پہلے کہ دیوار پر چڑھ کر باہر کی طرف چھلانگ لگاتا، ملّو لان میں آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں دونالی بندوق تھی!

عنبر نے باہر کی طرف چھلانگ لگا دی اور بھاگ کھڑا ہوا لیکن پھر اچانک کسی نے اُسے دھکا دے کر سڑک پر گرا دیا اور آہستہ سے کہا۔ "بے وقوف لڑکے! چاند نِکل آیا ہے۔ دوڑنے کے بجائے سڑک کے کنارے لڑھک جاؤ!"

عنبر کو ایسا لگا کہ اُس نے یہ آواز پہلے بھی کہیں سُنی تھی۔ اُسی لمحے ملّو نے فائر کر دیا۔ گولی عنبر کے اُوپر سے گُزر گئی، کیونکہ وہ اپنے پُراسرار دوست

کا کہنا مان کر اب سڑک پر لڑھک رہا تھا اور وہ دوسرا شخص بھی اُس کے پیچھے پیچھے لڑھتا آ رہا تھا۔

”دھائیں!“ ایک اور فائر ہوا۔

”بھاگو!“ اس آدمی نے کہا۔ ”اب کھڑے ہو کر بھاگو!“

عنبر نے اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ جب تک ملّو اپنی بندوق میں دو اور کارتوس ڈالے گا، وہ دوڑ کر کہیں کا کہیں پہنچ جائے گا۔

اور ایسا ہی ہوا۔

عنبر نے کافی دُور جا کر سانس لیا۔ اب وہ بارونق علاقے میں آ گیا تھا، اُس لیے خوف کی کوئی بات نہ تھی۔ وہ راہ گیروں میں گھُل مِل گیا اور آخر کار اپنے گھر پہنچ گیا۔

عاقِب، نسیم اور جاوید خفیہ ہیڈ کوارٹر میں اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ ”کہو، کیسی رہی؟“ عاقِب نے پوچھا۔ ”یہ تمہارے چہرے پر ہوائیاں سی کیا اُڑ

رہی ہیں؟“

”ہوائیاں تو پتا نہیں اُڑ رہی ہیں یا نہیں۔“عنبر نے اطمینان سے جواب دیا۔

”البتّہ جاوید کے بِٹّن میاں نے آج میری جان بچالی۔ میرا خیال ہے مجھے بچانے والا سو فی صد بِٹّن ہی تھا۔“

نسیم، عاقِب اور جاوید حیرت سے عنبر کا منہ تک رہے تھے۔

ناگ کا پہلا حملہ

"مگر ہمارے آنے کے بعد تمھیں اُن کے متعلّق کچھ معلومات بھی حاصل ہوئیں یا نہیں؟" عاقِب نے پوچھا۔

"ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "کافی سے زیادہ معلومات۔" وہ ایک لمحے کو رُکا، گہرا سانس لیا اور پھر کہنے لگا۔ "بقنا طوس، ملّو اور شمس، سب ایک ہی تھیلی کے چٹّے بٹّے ہیں اور اِن لوگوں کا کام ہے سیدھے سادھے لوگوں کو اپنے جال میں پھنسا کے لوٹنا۔"

”ذرا تفصیل سے بتاؤ۔“ نسیم نے کہا۔ ”یہ بقناطوس اور ملّو کون بلا ہیں؟ شمس کو تو ہم لوگ جانتے ہیں۔“

عنبر نے بقناطوس اور ملّو کے بارے میں انہیں بتایا اور کہنے لگا۔ ”ان لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ یہ سیدھے سادے لوگوں کو اپنے چنگل میں پھانس لیتے ہیں اور ان کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ شیطان ناگ اور اسی قسم کی دوسری چیزیں اُن کی مراد پوری کر دیں گی۔“

”جیسے پھوُپھی جان کی مراد۔۔۔۔“ جاوید نے کہا۔

”ہاں۔“ عنبر بولا۔ ”بالکل اسی طرح میں نے سُنا ہے کہ عذرا کی بھی وہ لوگ کوئی مُراد پوری کر چکے ہیں اور پھوُپھی جان کے بعد اب ندیم کی مُراد پوری کرنے والے ہیں۔“

”کون سی مُراد؟“

”ندیم کے بالکل سامنے ایک دُکان ہے۔ اس دُکاندار کا دیوالہ نکلوایا جائے

گا۔ اس کی دکان کو تباہ و برباد کرا دیا جائے گا تا کہ ندیم کا کاروبار اور زیادہ ترقّی کر سکے۔" عنبر نے بتایا۔

"یہ تو بڑا خطرناک معاملہ ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "کیوں نہ ہم پولیس کو اِطّلاع دے دیں؟"

"جی ہاں، پولیس کو اِطّلاع دے دیں۔" عنبر نے کہا۔ "کہ دو آدمی بقنا طوس اور ملّو جادُو ٹونے کے زور سے ندیم کے سامنے والے دکاندار کا دیوالہ نکلوانے والے ہیں۔ پولیس اس بات پر یقین کر لے گی؟ جب تک ہمارے پاس ٹھوس ثبوت نہ ہو، ہم کیسے پولیس کو بتا سکتے ہیں؟"

"لیکن عنبر، آخر اس بے چارے دُکاندار۔۔۔۔" نسیم نے کہا۔

"اس بے چارے دُکاندار کو بچانے کا فرض ہم خود ادا کریں گے۔" عنبر نے کہا۔ "ہم اُسے خطرے سے خبر دار کر دیں گے۔ ہم اُسے بتائیں گے کہ کوئی شخص اُس کے پاس سانپ پہنچائے گا جو اُس کے لیے خطرے کی علامت ہو گا۔"

”ابھی وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ خالہ جان کی آواز آئی۔ ”عنبر! عنبر! کہاں ہو تم؟ جاوید کے گھر سے فون آیا ہے؟“

عنبر خفیہ ہیڈ کوارٹر سے باہر نکلا اور فُون سُننے لگا۔ فُون سُن کر وہ خالہ جان سے بولا۔ ”میں ابھی آتا ہوں۔ ذرا پھوُپھی جان کے گھر جارہا ہوں۔“

”یہ تمہاری کون سی پھوُپھی پیدا ہو گئی ہیں؟“ خالہ جان نے ہنستے ہوئے کہا۔ ”چُپکے چُپکے۔“

”اوہ!“ عنبر ہنس دیا۔ ”جاوید کی پھوُپھی جان۔ میں انہی کے ہاں جا رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گا۔“

”خیریت تو ہے نا؟“

”جی، بالکُل۔“ عنبر نے کہا۔ ”بس آدھ گھنٹے تک لوٹ آؤں گا۔“

عنبر نے جاوید کو اپنی سائیکل کے پیچھے بٹھا لیا اور عاقِب اور نسیم اپنی اپنی سائیکل پر بیٹھ گئے۔ اس وقت سڑک پر ٹریفک برائے نام تھی، اس لیے وہ

چند ہی منٹ میں جاوید کے گھر پہنچ گئے۔ جاوید کی پھوپھی اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھیں اور انہیں ہَول کے مارے پسینے آرہے تھے۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔۔ابھی ابھی بقنا طوس اور ملّو یہاں آئے تھے اور۔۔۔"

"اور میری امّی کا ہیروں کا ہار مانگ رہے تھے۔" جاوید نے کہا۔

"مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا؟" پھوپھی جان نے حیرت سے کہا۔

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے آپ یہ بتایئے کہ آپ نے انہیں ہار دے دیا یا نہیں؟" جاوید نے پوچھا۔

"نہیں۔" پھوپھی جان نے کہا۔ "میں نے انہیں بے وقوف بنا دیا ہے۔"

"آپ نے انہیں نقلی ہار دے دیا؟" عنبر نے کہا۔ پھوپھی جان حیرت سے اُس کی طرف دیکھنے لگیں۔ ان بچّوں کو اِن باتوں کا کیسے پتا چل گیا؟ وہ سوچنے لگیں۔ "ہاں، میں نے نقلی ہار انہیں دیا ہے۔"

"اور اصلی ہار؟" عنبر نے کہا۔ "کیا وہ مُمتاز اینڈ برادرز کے۔۔۔۔"

”نہیں، اصلی ہار میں نے گھر ہی میں ایک جگہ چھُپا رکھا ہے۔ مگر وہ جگہ میں کسی کو نہیں بتاؤں گی!“ پھوُپھی نے کہا۔

”یہ تو آپ اچھی بات کریں گی۔“ عنبر نے کہا۔ ”لیکن آپ کو اِن لوگوں سے خوف زدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ آپ کا کُچھ نہیں بگاڑ سکتے۔“

”جب انہیں پتا چلے گا کہ ہیروں کا جو ہار میں نے کے حوالے کیا ہے وہ نقلی ہے، تو وہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔“

”پھوُپھی جان کیوں نہ ہم پولیس کو اِطّلاع دے دیں کہ وہ ملّو اور بقنا طوس کو گرفتار کر لے؟ اب تو ہم اُن کے پاس سے ہار بھی بر آمد کرا سکتے ہیں۔ کیوں عنبر؟“ جاوید نے کہا۔

”نہیں۔“ پھوُپھی نے عنبر کے بولنے سے پہلے ہی جواب دے دیا۔ ”پولیس میں کیس جائے گا تو میں بھی پھنسوں گی۔ آخر میری ہی وجہ سے بیگم خان کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔“

”ہاں۔“عنبر نے کہا۔”اس موقع پر پولیس کو اِطّلاع دینے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اگرچہ پھوپھی جان کا بیگم خان کے حادثے میں کوئی ہاتھ نہیں پھر بھی ہم یہ نہیں چاہتے کہ اُن کا نام آئے۔“

”اور ہاں، سُن لو۔“ پھوپھی نے دھمکی دیتے ہوئے کہا۔”اگر تُم نے پولیس کو خبر کی تو میں کوئی بیان وغیرہ نہیں دوں گی۔ میں کچھ بھی بتانے سے اِنکار کر دوں گی۔ مجھے شمس، ملّو اور بقناطوس سے بہت ڈر لگتا ہے۔ یہ لوگ کسی کو بھی ناگ دے کر اُس کا بیڑا غرق کر سکتے ہیں۔“

”پھوپھی جان۔“عنبر نے کہا۔”آپ ذرا سمجھنے کی کوشش۔۔۔۔“

لیکن عنبر نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ پھوپھی کو اِس سلسلے میں سمجھانا بے کار ہے۔

”آپ فکر نہ کریں، پھوپھی جان۔“عنبر نے کہا۔”ہم آپ کی حفاظت اور خدمت کے لیے تیّار ہیں۔ آپ جب چاہیں ہمیں بُلا سکتی ہیں۔“

"اب آپ سو جایئے۔" جاوید نے کہا۔ "میں آپ کے کمرے کی بتّی بجھا دوں؟"

"نہیں۔ آج بتّی جلتی رہنے دو۔" پھوُپھی نے کہا۔ "اور تم اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔"

سڑک پر پہنچ کر عنبر نے عاقِب سے کہا۔ "مجھے اُمّید ہے کہ کل صُبح ضرور کچھ نہ کچھ ہو گا۔ بقنا طوس وغیرہ اب یہ سمجھ گئے ہیں کہ چند لڑکوں کی وجہ سے اُن کے رنگ میں بھنگ پڑ گئی ہے اس لیے وہ جلد از جلد اپنا کام کر کے یہاں سے بھاگنے کی کریں گے۔ ہوشیار رہنا پڑے گا۔ کل صُبح تم ندیم کے سامنے والے دُکاندار کو خبر دار کرو گے۔"

"اور نسیم؟" عاقِب نے پوچھا۔

"نسیم تمہارے ساتھ جائے گا۔" عنبر نے کہا۔ "اور مجھے گھر پر رہنا ہے۔ نہ جانے پھوُپھی جان کو کب میری ضرورت پڑ جائے۔"

عنبر کو رات بھر طرح طرح کے خواب دکھائی دیتے رہے اور صُبح ہی صُبح خالہ نے اُسے جھنجھوڑ کے جگا دیا۔ ”اُٹھو عنبر! جاوید کا فون آیا ہے۔ وہ تمھیں بُلا رہا ہے۔“

”خیریت ہے؟“ عنبر جاوید کے فون کے نام پر ایک پر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھا اور جاوید کے گھر کا نمبر ملایا۔

”ہیلو! میں جاوید بول رہا ہوں۔“ آواز آئی۔

”کیا ہوا؟“ عنبر نے پوچھا۔ ”صُبح کو پھوپھی جان کی آنکھ کھُلی تو اُن کے سرہانے ایک ناگ۔۔۔ پیتل کا بنا ہوا ناگ۔۔۔ رکھا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہی بے ہوش ہو گئی ہیں! تم اسی وقت آجاؤ۔“ جاوید کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

ناگ کا دُوسرا حملہ

عنبر بھاگتا ہوا جاوید کے گھر پہنچا۔ پھوُپھی کو اب ہوش آ چکا تھا، لیکن اُن کا رنگ زرد تھا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ناگ کو دیکھ رہی تھیں۔

"لائیے، آپ یہ مجھے دے دیجیے۔" عنبر نے کہا۔ "اور آپ بے فکر ہو جائیے۔ اگر اس ناگ کے آنے سے کوئی مصیبت نازل ہوئی ہے، تو وہ مُجھ پر ہو گی۔ آپ پر نہیں۔"

"نہیں!" پھوُپھی نے ناگ دیتے ہوئے کہا۔ "ناگ جس کے لیے بھیجا جاتا

ہے، وہی اس کا شکار ہوتا ہے۔ مُصیبت مُجھ پر ہی نازل ہو گی۔"

"آپ پر کوئی مُصیبت نازل نہیں ہو گی۔ پھوُپھی جان۔" عنبر نے کہا۔ "ٹھہریے! میں اپنی خالہ کو بلاتا ہوں۔"

عنبر نے خالہ کو فون پر صورت حال بتائی تو انہوں نے کہا کہ وہ ناشتے سے فارغ ہو کر وہاں پہنچ جائیں گی۔ اُن کے پہنچنے کے بعد عنبر ناگ اُٹھا کر جاوید کے ساتھ اُس کے کمرے میں آ گیا۔

"یہ ناگ پھوُپھی جان کے کمرے میں کون ڈال گیا؟ کیا اس بارے میں کچھ پتا چلا؟"

"نہیں۔" جاوید نے کہا۔ "ہمیں بالکل پتا نہیں چلا۔ دراصل بات یہ ہوئی کہ پھوُپھی جان اور میں دونوں پریشان تھے اس لیے رات کو ہم لوگوں کو بہت دیر بعد نیند آئی، اسی نیند کے دوران آنے والا اپنا کام کر گیا۔"

"خیر اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ناگ کون لایا۔" عنبر نے ناگ کو

ہاتھوں میں گھُمایا۔ ”اصل بات تو یہ ہے کہ پھوُپھی جان کو اِس بات کا مکمل یقین ہے کہ اب ان کو کوئی حادثہ پیش آئے گا۔“

”ہاں، اصل مسئلہ تو یہی ہے۔“ جاوید نے کہا۔ ”کیا اب ہمیں امّی کا ہار ان پھٹیچر جادُوگروں کے حوالے کرنا پڑے گا؟“

”نہیں، اس بات کا تو تم خیال بھی دل میں نہ لاؤ۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم لُٹیروں اور ٹھگوں کے اس گروہ کو پولیس کے حوالے کر کے ہی دم لیں گے۔ بس وقت آئے ہی والا ہے۔“

”کب؟“ جاوید نے بے چینی سے پوچھا۔

”شاید آج ہی۔“ عنبر نے کہا۔ ”میرا خیال ہے مجُھے سکیم بدلنی پڑے گی۔ اب ہمارے پاس وقت بالکل نہیں۔ بقناطوس اور ملّو اُس دُکاندار پر آج ہی وار کریں گے۔ کیونکہ وہ جلد از جلد یہاں سے چلے جانا چاہتے ہیں۔“

”تم کیا کروگے اب؟“ جاوید نے پوچھا۔

”میں عاقِب کی جگہ نسیم کے ساتھ اُس دُکان دار کے پاس جاؤں گا۔ اُسے تو خبر بھی نہیں کہ اس کی تباہی کا سامان کیا جا رہا ہے۔ میں عاقِب کو یہاں بھیجتا ہوں۔“

اُسی لمحے دروازے کی گھنٹی بجی۔ جاوید اور عنبر نے باہر نِکل کے دیکھا تو نسیم اور عاقِب کھڑے تھے۔

”اچھا ہوا تم لوگ پہلے اِدھر آ گئے۔ میں عاقِب کی جگہ نسیم کے۔۔۔“

”مگر ہم تو حنّان صاحب کی دُکان سے آ رہے ہیں۔“ عاقِب نے کہا۔

”یہ ندیم کے سامنے والے دُکان دار کا نام ہے۔“نسیم بولا۔

”اندر آؤ اور مجھے جلدی سے سے تفصیل بتاؤ۔“ عنبر نے بے صبری سے کہا۔

”جب ہم وہاں گئے تو حنّان صاحب دُکان کھول رہے تھے۔“ عاقِب نے بیٹھتے ہی بتانا شروع کر دیا۔ ”ہم نے اُن سے پوچھا کہ۔۔۔۔“

”دیکھو عاقِب!“ عنبر نے کہا۔ ”مجھے صرف وہاں ہونے والی باتوں کا خلاصہ چاہیے، زیادہ باتوں میں وقت ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔“

”میں خلاصہ بتاتا ہوں۔“ نسیم نے کہا۔ ”حنّان صاحب کو ہم نے اپنا تعارفی کارڈ دیا اور انہیں آنے والے خطرے سے خبر دار کیا۔ پھر اُنہیں یہ بات بتائی کہ انہیں عنقریب سانپ کا ایک مجسّمہ ملنے والا ہے۔ اگر وہ اُنہیں مِلے تو وہ ہوشیار رہیں۔“

”ہُوں!“ عنبر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”مگر اُنہیں ہماری باتوں کا یقین نہیں آیا۔“ عاقِب بولا۔ ”وہ سمجھے کہ ہم شریر لڑکے ہیں اور اُن کے ساتھ شرارت کرنا چاہتے ہیں۔“

”یہ تو بڑا بُرا ہوا۔“ عنبر نے کہا۔

”بڑا موٹا تازہ شخص ہے۔“ نسیم نے تھُوک نِگلتے ہوئے کہا۔ ”جب اُس نے ہمیں بتایا کہ وہ پولیس کو فون کرنے لگا ہے تو ہم وہاں سے بھاگ آئے

ہیں۔"

"یہ تو اور بھی بُرا ہوا۔" عنبر نے کہا۔ "اس طرح تو اُسے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔"

"پہنچنے دو۔" نسیم نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ "جب وہ خود اپنا بھلا نہیں چاہتا تو ہم کیسے اُس کا بھلا کر سکتے ہیں؟"

"ہمیں وہاں پھر جانا ہو گا۔" عنبر نے کہا۔ "نسیم! اب کے تُم اور میں وہاں جائیں گے۔ اُس کو سمجھانا بہت ضروری ہے۔ عاقِب! تم یہاں جاوید کے پاس ٹھہرو۔ ہم وہاں سے فارغ ہو کے سیدھے یہیں آئیں گے۔ تم یہاں حالات پر نظر رکھنا اور اگر حالات قابو سے باہر ہونے لگیں تو پولیس کو فون کر دینا۔"

"ٹھیک ہے۔" عاقِب نے کہا۔ "میں سمجھ گیا۔ تم جاؤ۔"

عنبر اور نسیم حنّان جنرل سٹور پر پہنچے تو حنّان اس وقت اپنی دکان بند کر رہا

تھا۔

”معاف کیجئے حنّان صاحب۔“ عنبر نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”لگتا ہے ناگ آپ کے پاس پہنچ چکا ہے۔ تبھی آپ دُکان بند کر رہے ہیں۔؟“

”میں۔۔۔ مم۔۔۔ میں تم لوگوں کو پولیس کے حوالے کر دُوں گا۔“ حنّان نے بڑے غصّے سے کہا۔ ”اگر یہ تُم لوگوں کی حرکت ہے، تو میں تُمھیں بچ کے نہیں جانے دُوں گا۔“

”آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ حنّان صاحب۔ ”عنبر نے کہا۔ ”ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔“

”مدد؟ ہونہہ!“ حنّان نے زور سے فرش پر تھُوکا۔ ”میں تم لوگوں سے بالکل مدد کرانا نہیں چاہتا۔ یہ سانپ یقیناً تُم لوگوں نے ہی مُجھے ڈرانے کے لیے بھیجا ہے۔“

”آپ یہ ناگ ہمیں دکھایئے تو سہی۔“ عنبر نے کہا۔ ”یقین کیجیے ہم آپ

کے دوست ہیں، دُشمن نہیں۔ آپ کے سامنے کی دُکان ہے نا؟"

"ہاں، اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ وہ دُکان تو یہاں کئی سالوں سے ہے اور میں نے ابھی چار پانچ مہینے پہلے ہی دکان۔۔۔۔۔"

"گُستاخی معاف، حنّان صاحب۔" عنبر نے کہا۔ "ندیم صاحب آپ کی دُکان بند کرانا چاہتے ہیں اور اس کے لیے وہ جادُوگروں سے مدد حاصل کر رہے ہیں۔"

"میں نہیں مانتا۔" حنّان نے زور سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "ندیم میرا بڑا اچھا دوست ہے۔"

"آپ اُنہیں کب سے جانتے ہیں؟"

"جب سے میں نے یہ دکان کھولی ہے۔"

"یقین کیجیے آپ خطرے میں ہیں۔ آپ ذرا مجھے ناگ تو دکھائیے جو آپ کو۔۔۔۔۔"

”خدا کے نام پر بابا!“ ایک بوڑھے فقیر نے حنّان اور عنبر کے کان کے پاس آ کر ہانگ لگائی۔ ”دو روز سے بھوکا ہوں۔ کچھ کھانے کو مل جائے۔ خدا آپ کا بھلا کرے۔“

حنّان نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک روپے کا نوٹ نکال کر فقیر کو دیا اور بولا۔ ”لے، اللہ تیرا بھی بھلا کرے۔“

اسی لمحے فقیر لڑکھڑایا۔۔۔ اور اِس سے پہلے کہ عنبر یا حنّان اُسے سنبھالتے، وہ کاؤنٹر پر گر پڑا۔ دونوں نے اُسے اُٹھا کر کھڑا کیا تو وہ اُنہیں دُعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

یکایک نسیم جھپٹ کر دُکان کے اندر گیا اور کاؤنٹر کے پاس سے ایک ٹرانسسٹر ریڈیو اُٹھاتے ہوئے چیخا۔ ”فقیر نے اپنا ٹرانسسٹر یہاں گرا دیا ہے۔ اُسے روکو۔“

فقیر اب تیز تیز چلنے لگا تھا۔

عنبر نے نسیم کے ہاتھ سے ٹرانسسٹر جھپٹ لیا۔ ”بے وقوف! فقیروں کے پاس بھی ٹرانسسٹر ہوتے ہیں!“

اُسی لمحے حنّان کو نہ جانے کیا سوجھی، اُس نے عنبر کے ہاتھ سے ٹرانسسٹر چھین لیا اور ندیم کی دُکان کی طرف اُچھال دیا، جو آج بند تھی۔

”دھائیں!“

ایک زور دار آواز کے ساتھ ٹرانسسٹر پھٹ گیا۔ یہ ایک ٹرانسسٹر کی شکل کا بم تھا۔ ندیم کی دُکان کی دیوار میں شگاف پڑ گیا اور سارے میں دھواں پھیل گیا!

عنبر، نسیم اور حنّان تینوں دوڑ پڑے۔ فقیر اب دوڑنے لگا تھا۔ حنّان نے بھی اب پوری قوّت سے دوڑ لگائی۔ حنّان اور عنبر اُس سے پیچھے رہ گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے نسیم نے فقیر کو جا پکڑا۔ فقیر نے اُس سے بچنے کے لیے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن جلد ہی عنبر اور حنّان وہاں پہنچ گئے۔ حنّان نے دونوں بازوؤں میں فقیر کو جکڑ لیا اور اُسے گود میں اُٹھا کر دُکان پر لے آیا۔

"اچھے بچّو! تمہارا بہت بہت شکریہ!" حنّان نے فقیر کو زمین پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "اب دکان میں سے مچھلی پکڑنے والی ڈوری لے آؤ اور اِس بھوکے فقیر کے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔ میں پولیس کو فون کرتا ہوں کہ اس بے چارے کو کھانا کھلا دے۔"

"میں ذرا اس کا اصلی روپ تو دیکھ لوں۔" عنبر نے کہا۔ "نسیم، تم ڈوری لاؤ۔" یہ کہتے ہوئے اس نے فقیر کے چہرے پر زور سے پنجہ مارا۔

فقیر کا نقلی چہرہ اُس کی مُٹھّی میں تھا اور فقیر کی جگہ ملّو بیٹھا ہوا تھا!

ناگ کی واپسی

ملّو کو پولیس کے حوالے کر کے اور بقناطوس اور شمس کے بارے میں سب کچھ بتا کر عنبر اور نسیم پھوپھی کے ہاں پہنچے تو عاقِب اُنہیں دروازے پر ٹہلتا ہوا ملا۔

"کیا ہوا عاقِب؟" عنبر نے کہا۔

"پھوپھی جان کی طبیعت بگڑتی جا رہی ہے۔ ہم نے ڈاکٹر کو فون کیا ہے میں ان کے انتظار میں یہاں کھڑا ہوں۔" عاقِب نے کہا۔ "تم بتاؤ؟"

”ہم اپنی کوشش میں کام یاب رہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ملّو اس وقت جیل میں ہے اور اب پولیس شمس اور بقنا طوس کو تلاش کر رہی ہے۔“

اچانک ایک کار وہاں آکر رُکی جس پر ڈاکٹر کا نشان بنا ہوا تھا۔

”آیئے، ڈاکٹر صاحب۔“ عنبر نے کہا۔ ”اندر تشریف لے چلیے۔“

ڈاکٹر نے پھوُپھی کا بغور سے معائنہ کیا، اُن سے باتیں کیں اور کہنے لگا۔ ”اِن کے دماغ پر کوئی بہت گہرا اثر ہوا ہے۔ اِنہیں ہسپتال میں داخل کرا دیں تو بہتر ہو گا۔“

”نہیں، میں ہسپتال میں نہیں جاؤں گی۔“ پھوُپھی نے چیختے ہوئے کہا۔

”اچھا، تو میں دوا لکھے دیا ہوں۔“ ڈاکٹر نے نسخہ لکھ دیا اور فیس لے کر چلا گیا۔

”جاوید، میرا خیال ہے اب وہ ہار میں بقنا طوس کر دے ہی دوں۔“ پھوُپھی نے کہا۔ ”نہیں تو میں زندہ نہیں بچوں گی۔“

”میں آپ کے لیے ایک اچھا ڈاکٹر بُلواؤں گا۔“ جاوید نے کہا۔ ”آپ فکر نہ کریں۔“

”پھوپھی جان۔“ عنبر نے اُن کے پلنگ کی پٹّی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”ملّو گرفتار ہو چکا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک شمس اور بقناطوس بھی پکڑے جا چکے ہوں۔ اب آپ اپنے دل سے خوف کو نکال دیجیے۔ وہ لوگ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔“

”ارے! یہ کیا غضب ہو گیا!“ پھوپھی نے اور زیادہ خوف زدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگوں نے اُنہیں گرفتار کرا دیا؟ اب تو میں زندہ نہیں بچوں گی۔ میں زندہ نہیں بچوں گی۔“ ”آپ انشاءاللہ زندہ رہیں گی۔“ عنبر نے بڑے یقین سے کہا۔ ”ہم آپ پر سے جادُو اُتارنے کے لیے ایک بڑے اچھّے جادُوگر کو بُلا رہے ہیں۔“

پھوپھی نے کوئی جواب نہ دیا۔ عنبر نے عاقِب اور نسیم کو برابر والے کمرے میں آنے کا اشارہ کیا اور کہا۔ ”وہ پھوپھی جان کا علاج کوئی ڈاکٹر نہیں، ماہرِ

نفسیات ہی کر سکتا ہے۔ میں ایسے ہی کسی شخص کو بُلانا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں ایک ماہرِ نفسیات کا نام بتا سکتا اس کی کتابیں میرے والد صاحب بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔" عاقِب نے کہا۔

"جلدی بتاؤ۔"

"پروفیسر عثمانی"۔

"وہ پروفیسر عثمانی جِن کے مضمون اخباروں میں بھی چھپتے ہیں؟" عنبر نے کہا۔ "ان کا تو ایک دلچسپ مضمون ابھی پچھلے ہفتے ہی اخبار میں چھپا ہے جس کا عنوان ہے، جادُو ٹونے اور اُن کا عام انسانوں پر اثر۔"

"تم ڈائریکٹری سے اُن کا فون نمبر دیکھو۔" عاقِب نے نسیم سے کہا۔

"ان کا پورا نام کیا ہے؟" نسیم نے پوچھا۔ "حمید الحسن عثمانی۔" عاقِب نے کہا۔ "وہ اخبار میں ایچ ایچ عثمانی کے نام سے لکھتے ہیں۔"

جلد ہی پروفیسر صاحب کا نمبر مل گیا۔ اُنہوں نے کہا کہ وہ آدھے گھنٹے میں

پہنچ جائیں گے۔ فون بند کرتے ہی نسیم کو دھیان آیا کہ وہ ایک بہت بڑی بے وقوفی کر چکا ہے۔ اس نے پروفیسر صاحب کو فون پر یہاں کا پتا نہیں بتایا تھا۔

"تو اب دوبارہ فون کرو۔" عنبر نے کہا۔

دوبارہ فون کرنے پر اُن کے گھر سے بتایا گیا کہ وہ کار لے کے کہیں جا چکے ہیں۔

ابھی عنبر، نسیم اور عاقِب سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کِیا جائے کہ اچانک دروازے کی گھنٹی بجی۔ آنے والا شخص بِٹّن تھا، مگر اب اُس کے منہ پر گھنی مُونچھیں نہ تھیں۔

"وہ مُونچھیں نقلی تھیں۔" پروفیسر عثمانی نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اور اب اُن کی ضرورت نہیں رہی۔ چلو دیکھیں تمھاری پھوُپھی کا کیا حال ہے؟"

عنبر، نسیم اور عاقِب حیرت سے بُت بنے پروفیسر صاحب کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ ”مگر پروفیسر صاحب۔“ عنبر نے جھجکتے ہوئے کہا۔ ”وہ، وہ پھوپھی نے بھی آپ کو پہچان لیا تو؟“

”اُن کے پہچاننے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“ پروفیسر عثمانی نے کہا، ”اُن کا علاج ایک جادُو گرنی کرے گی جسے میں اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔“

”جادُو گرنی؟“

”جی ہاں۔“ پروفیسر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”وہ خانہ بدوش خاتون ہے اور اُسے جادُو اُتارنے کا بہت اچھا طریقہ آتا ہے۔“

عنبر ٹُکر ٹُکر اُن کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ یہ پروفیسر صاحب آج کیسی باتیں کر رہے تھے!

”جاؤ، اُن خاتون کو کار میں سے اُتار کر اندر لے آؤ۔“

”بہت بہتر جناب۔“ عنبر باہر کی طرف دوڑ پڑا۔

”کدھر ہے وہ عورت، جس پر جادُو ہے؟“ خانہ بدوش عورت نے کار سے اُترتے ہوئے پوچھا۔ ”اُدھر؟ اندر؟“

”جی ہاں۔“ عنبر نے کہا۔ ”آپ تشریف لے چلیے۔“

”کیا لے چلوں؟“ عورت نے حیرت سے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ عنبر نے کھسیانا ہوتے ہوئے کہا۔ ”میں نے کہا کہ چلیں۔“
”تو یوں کہونا۔“ عورت نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”کہ اندر چلوں۔۔۔۔ تُم جانے کیا کہہ رہئے تھے۔“

اس عورت نے سر سے پاؤں تک ایک لمبا فراک پہنا ہوا تھا جو خاصا بوسیدہ تھا، حتیٰ کہ اُس کے رنگ کی بھی اب پہچان نہیں ہو رہی تھی، کیونکہ وہ اُڑ چکا تھا۔

”یہ ہے وہ عورت؟“ خانہ بدوش نے کمرے میں داخل ہو کر عنبر کی خالہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ”جس پر جادُو ہے؟“ خالہ اس وقت ٹائم پیس

میں چابی دے رہی تھیں۔

"اری! مُجھے پہ جادُو وادو کچھ اثر نہیں کرتا۔" خالہ نے کہا۔ "وہ دوسرے کمرے میں ہے۔ اِدھر، اُس دروازے سے جاؤ۔"

خانہ بدوش عورت پھوپھی کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ پلنگ پر لیٹی ہوئی تھیں۔ نسیم اور جاوید اُن کے پاس کُرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور پروفیسر اور عاقِب دیوار کے پاس کھڑے تھے۔

"یہ کون ہے؟" پھوپھی نے خانہ بدوش عورت کو کمرے میں آتے دیکھ کر پوچھا۔

یہی تو وہ جادُوگرنی ہے۔" پروفیسر نے کہا۔ "اسی کی تلاش میں تو آپ کا وفادار بِٹّن گلی گلی مارا پھرا۔ مجھ سے آپ کی حالت دیکھی نہیں گئی۔ میں نے کہا کہ میں اب جادُو کا توڑ لے کر ہی مالکن کے پاس جاؤں گا۔"

"ارے بِٹّن!" پھوپھی نے کمزور سی آواز میں کہا۔ "مجھے اب کوئی نہیں بچا

سکتا۔ ارے، مجھے اب کوئی نہیں بچا سکتا۔"

"دیکھ بی بی! چُپ ہو جا! میں کہتی ہوں چُپ ہو جا!" اُس عورت نے پھوُپھی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "اگر تُجھ پہ چار طرح میں سے کسی طرح کا بھی جادُو ہے تو میں یوں اُڑادوں گی۔" اُس نے چٹکی بجا کے دکھائی۔ "اور اگر پانچویں طرح کا ہے تو تُو ضرور مر جاوئے گی۔"

"کون کون سی چار طرح کا؟" عنبر بے قراری سے بولا۔

"دیکھ رے لڑکے!" عورت نے کہا۔ "اگر تیری اس امّاں کو کسی نے موم کا پُتلا دیا جس میں کیلیں چُبھی ہیں۔ نمبر ایک۔ اگر تیری اس امّاں کو کسی نے گُڑ کا ایک ڈھیلا دیا جس پر چیم ٹیاں لپٹی ہیں، نمبر دو۔ اگر تیری اِس امّاں۔۔۔۔"

"یہ میری پھوُپھی جان ہیں، امّاں نہیں۔" عنبر چِڑ گیا۔

"چل رے، پھُپّی سہی۔" عورت نے عنبر کو ڈانٹ دیا "اگر تیری اس

پھُپّو کو کسی نے لوہے کا ایک کڑا جس کے اُوپر بیل لپٹی ہے، نمبر تین۔"

پھوپھی آنکھیں پھاڑے عورت کی باتیں سُن رہی تھیں۔

"اگر تیری اس پھُپّو کو کسی نے ناگ دیا جس کا من پھیلا ہوا ہے، نمبر چار۔"

عنبر نے دیکھا کہ پھوپھی کے چہرے پر اُمّید کی ایک کرن لہرائی۔

"بس بس!" وہ چلّایا۔ "یہی ہے!"

"پھر تو تیری پھُپّو بچ گئی بچّے۔" عورت نے کہا۔ "نہیں تو مر جاتی۔ لا، کدھر ہے وہ ناگ؟ میں اس کا جادُو اُلٹا کے، کرنے والے پر بھیج دوں۔"

"پھوپھی! وہ ناگ؟" جاوید نے کہا۔ "کدھر ہے وہ ناگ؟"

"میرے تکیے کے نیچے۔"

"یہ لو۔" جاوید نے ناگ اُٹھا کے خانہ بدوش عورت کے حوالے کر دیا۔

"سبز رنگ زندگی کے لیے ہووے ہے۔" اس عورت نے اپنے سینے میں اُوڑھا ہوا سبز رنگ کا ایک تھیلا نکالا اور اس میں ناگ کو بند کر دیا۔ "جادُو کو زندگی کھتّم کر دیوے گی۔" یہ کہہ کر اُس نے تھیلے کا منہ ایک رسّی سے باندھ دیا۔ آپ سُرکھ رنگ کی ایک موم بتّی لاؤ۔" وہ بولی۔ "سُرکھ میں بڑی طاقت ہووے ہے۔"

رنگ برنگی موم بتّیوں کی یہاں کیا کمی تھی۔ جھٹ پٹ سُرخ رنگ کی موم بتّی آ گئی۔ "اب کمرا اندر سے بند کر دو۔ باہر کا جادُو اندر نہ آوے۔ صرف اندر کا باہر جاوے۔"

کمرا اندر سے بند کر دیا گیا۔

"اب سب چُپ ہو جاویں۔" عورت نے کہا۔ "کسی نے نہیں بولنا۔ اُس نے سُرخ رنگ کی موم بتّی جلائی اور سبز رنگ کے اس تھیلے کو جس میں اُس نے ناگ بند کیا تھا، اپنے سینے سے لگا کے بھینچ لیا اور منہ ہی منہ میں کُچھ بُڑبُڑانے لگی۔

آہستہ آہستہ اُس کی بُڑبُڑاہٹ تیز ہوتی چلی گئی۔ نہ جانے وہ کیا الفاظ تھے جو اس کے منہ سے نکل رہے تھے۔ عنبر نے دیکھا کہ پھوُپھی بہت دل چسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی ہیں۔ اُنہوں نے لیٹے لیٹے ہی اِدھر کروٹ لے لی تھی۔ اب اس عورت کی آواز ایسی لگ رہی تھی جیسے مکھّیاں بھنبھنا رہی ہوں، بہت ساری مکھّیاں۔ یا جیسے کوئی ناگ سرسرا رہا ہو۔ یکایک نہ جانے کیا ہوا کہ سبز تھیلا عورت کے ہاتھ سے چھُوٹ کر دُور جا گرا۔ اس نے لپک کر اُسے پھر دبوچ لیا اور فرش پر لیٹ گئی۔

گیت، پُراسرار گیت، جاری رہا اور عورت تھیلے سے کُشتی لڑنے لگی۔ یوں لگتا تھا جیسے تھیلے میں کوئی طاقت موجود ہے جو تھیلے کو کہیں لے جانا چاہتی ہے۔

یکایک عورت تڑپنے لگی، کانپنے لگی، اور چیخنے لگی۔ "پانی، پانی!"

اس سے پہلے کہ کمرے میں سے کوئی پانی لانے کے لیے اُٹھتا، پروفیسر نے منہ پر اُنگلی رکھ کر سر اِنکار میں ہلایا۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہے۔

"پانی! پانی!" عورت چیخی اور پھر تڑپنے لگی۔ اب وہ بُری طرح تڑپ رہی تھی اور تڑپتے تڑپتے موم بتّی کے پاس آگئی تھی۔ اچانک موم بتّی بُجھ گئی۔

موم بتّی بجھتے ہی جیسے عورت کو سکون مل گیا۔ وہ بیٹھ گئی اور تھیلا پھوپھی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "یہ لے، لڑکے کی پھوپھی! ناگ کو میں نے واپس بھیج دیا ہے۔ اُسی کو مارنے جس نے اسے تیرے پاس بھیجا تھا۔" پھوپھی نے لرزتے ہاتھوں سے تھیلے کی رسّی کھولی اور اُسے اُلٹا کر کے جھاڑ دیا۔

ناگ غائب ہو چکا تھا!

پھوپھی ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔ اُن کے چہرے پر مُسکراہٹ اور جینے کی اُمنگ ناچ رہی تھی!

نیلے چاند کا کمال

اگلے دِن پھوپھی کی صحت یابی کی خُوشی میں اُن سب کی دعوت کی گئی۔ پروفیسر، خانہ بدوش عورت، خالہ، خالُو، عنبر، نسیم اور عاقِب سب کے سب جاوید کی پھوپھی کے ہاں کھانا کھا رہے تھے۔ پھوپھی کا تعارف پروفیسر صاحب سے ہو چکا تھا، البتّہ خانہ بدوش عورت اور جادُو کے بارے میں اُنہیں اور کچھ نہیں بتایا گیا تھا کیونکہ پروفیسر نے منع کر دیا تھا۔

باقی سب لوگ تو کھانا کھا کر چلے گئے، مگر پھوپھی نے ننھے سُراغ رسانوں

کو روک لیا اور کہنے لگیں۔ ”تم نے میری خاطر بڑی تکلیفیں برداشت کی ہیں۔ میں تم لوگوں کا شکریہ کیسے ادا کروں؟“

”اس میں شکریے کی کیا بات ہے، پھوپھی جان۔“ عنبر نے کہا۔ ”جاوید ہمارا دوست ہے اور آپ اس کی طرح ہماری بھی پھوپھی ہیں۔“

”ہم نے جو کچھ کیا، وہ ہمارا فرض تھا۔“ نسیم نے کہا۔

”بھئی یہ فلمی ڈائیلاگ نہ بولو۔“ عاقِب نے نسیم کے چٹکی بھری۔

”خدا کا لاکھ لاکھ شُکر ہے کہ سب کے سب پکڑے گئے۔“ پھوپھی نے کہا۔

”صرف ایک بچ کر بھاگ گیا۔“ عنبر نے کہا۔ ”بقناطوس۔ انسپکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ اُسے بھی جلد پکڑ لیا جائے گا۔ پولیس کا خیال ہے کہ شاید وہ کراچی چلا گیا ہے۔ اس کی تلاش میں وہاں پولیس بھیجی جائے گی۔“

”بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔“ عاقِب نے کہا۔ ”وہ بھی آخر

پکڑا ہی جائے گا ایک دِن۔"

"مگر وہ دِن آج کا دِن نہیں ہے۔" اچانک پیچھے کھڑکی میں سے آواز آئی۔ سب نے مُڑ کر اُدھر دیکھا۔ کھڑکی میں سے بقنا طوس اندر آ رہا تھا اور اُس کے ہاتھ میں پستول تھا!

"خبر دار جو کسی نے حرکت کی۔" وہ دھاڑا۔ "اگر چالاک بننے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا!" اُس کا اشارہ عنبر کی طرف تھا جو چُپکے چُپکے اُلٹے پاؤں، ہٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عنبر رُک گیا۔

"اب تمہارا جادُو بے اثر ہو چکا ہے، بقنا طوس۔" پھوُپھی نے کہا۔

"جادُو بے اثر ہوا ہو گا۔" بقنا طوس نے بے پروائی سے کہا۔ "مگر میرے پستول کی گولیاں ضرور اثر رکھتی ہیں۔ نقلی ہار تمہیں مبارک ہو۔ مجھے اصلی چاہیے۔" اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے جیب میں سے ایک کاغذ کا لفافہ نکال کر پھوُپھی کے پلنگ کی طرف اُچھال دیا۔ "چلو، جلدی کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" وہ دھاڑا۔

پھوپھی نے کوئی جواب نہ دیا۔

"میں نے کہا نا کہ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" بقناطوس نے پستول لہراتے ہوئے کہا۔ "میں دس تک گنوں گا۔"

عنبر ایک قدم آگے بڑھا۔ "پھوپھی جان، اب کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں ہار دینا ہی پڑے گا۔"

"مگر میں۔ میں۔۔ میں جاوید کی امّی کی امانت میں خیانت کیسے کر سکتی ہوں۔" پھوپھی نے کہا "نا، نا۔ میں ہار نہیں دوں گی۔"

"نہ دو۔" بقناطوس مُسکراتے ہوئے بولا۔ "بس اتنا بتا دو کہ وہ کہاں ہے؟"

وہ کہیں بھی رکھا ہو، تم سے مطلب؟" پھوپھی نے بڑی دلیری سے کہا۔ اب وہ بالکل بھی خوف زدہ نہیں تھیں۔

"ایک۔۔۔ دو۔۔۔" بقناطوس نے گنتی گِننی شروع کر دی۔

"خدا کے لیے بتا دیں۔" جاوید نے کہا۔ "بتا دیں۔" وہ روہانسا ہو گیا۔ "آپ

ہار دے دیجیے۔"

"بتادوں؟" پھوُپھی نے جاوید سے کہا۔

"وقت ضائع نہ کریں اور جاوید کو بتانے دیں کہ ہار کہاں ہے۔" عنبر نے کہا۔ "جہاں آپ نے ہار بھیجا تھا وہاں سے نکالا جا چکا ہے۔"

"کس نے نکالا؟ جاوید نے؟" پھوُپھی نے حیرت سے پوچھا۔

"جاوید نے مجھے کل بتایا تھا کہ اُس نے ہار وہاں سے نکال کر۔۔۔۔۔" عنبر چُپ ہو گیا۔

"جلدی بکو لڑکے!" بقناطوس دھاڑا۔ "تم بھی وقت ضائع کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں پانچ تک گِنوں گا اور تمھیں گولی مار دوں گا، ورنہ مجھے فوراً بتادو کہ ہار کہاں ہے؟"

"بتادو، عنبر۔" پھوُپھی نے کہا۔ "جلدی!"

"ہار جاوید نے نیلے چاند کے اصطبل میں چھپا دیا ہے۔"

”اور یہ نیلا چاند جاوید کا گھوڑا ہے؟“ بقنا طوس نے کہا۔

”ہاں، وہ میرا گھوڑا ہے۔“ جاوید بولا۔ ”میں ہار نکال کر لاتا ہوں۔“

”چالاکی سے کوئی فائدہ نہیں۔“ بقنا طوس نے کہا۔ ”تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔ میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تم میرے آگے آگے جاؤ گے۔“ اس نے پستول سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اِسی حالت میں پورا قافلہ نیلے چاند کے اصطبل میں پہنچا۔

”اب تم سب لوگ دیوار کی طرف مُنہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور مجھے بتاؤ کہ وہ کس جگہ ہے؟“

”اُس کونے والے ڈبّے میں۔“ جاوید نے کہا۔ ”اس کا ڈھکنا کھول کر نکال لیجیے۔ اُس کی تہہ میں پڑا ہوا ہے۔“

جونہی بقنا طوس نے ڈبّے کا ڈھکنا کھولا، جاوید نے نیلے چاند کے گلے کی رسّی کھول دی اور فوراً سیٹی بجائی۔ گھوڑے نے زور سے ہنہنا کر سر گھمایا اور

بقناطوس کی طرف بڑھا۔ بقناطوس گھبرا گیا۔ گھوڑے نے آناً فاناً بقناطوس کے ہاتھ میں کاٹ لیا۔

بقناطوس کے ہاتھ سے پستول چھوٹ کر دُور جا گرا۔ اُسی لمحے سب لڑکے اُس پر پل پڑے اور بقناطوس بے بس ہو گیا۔

عنبر نے گھوڑے کی رسّی سے بقناطوس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے اور بولا۔ ”چلو جاوید، پولیس کو فون پر بتا دو کہ اب اُس کو کراچی جانے کی ضرورت نہیں۔ اس کا شکار شاداب نگر ہی میں موجود ہے، اور اُن کا منتظر ہے۔“

جاوید نے جلدی سے کہا۔ ”لیکن یہ ہار میں نے تو نہیں۔۔۔۔“

”ہاں، تم نے نہیں چھپایا۔“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”وہ تو میں نے بات بنائی تھی۔ میں اِس شیطان کو نیلے چاند کے پاس لانا چاہتا تھا۔ نیلا چاند میری آخری اُمّید تھی اور اُس نے خدا کے فضل سے مایوس نہیں کیا۔“

کُچھ سوال

بقناطوس کو پولیس کے حوالے کرنے اور بیانات لکھوانے کے بعد پھوُپھی عنبر سے پوچھنے لگیں۔ ”آخر یہ سب کیا چکّر تھا؟“

عنبر، نسیم اور عاقِب نے پھوُپھی کو شُروع سے آخر تک ساری باتیں بتائیں اور یہ بھی بتایا کہ وہ چور اُچکّوں کے گروہ میں پھنس گئی تھیں۔ پھوُپھی اب صحت یاب ہو چُکی تھیں، اس لیے وہ اُن کی باتیں اچھّی طرح سمجھ رہی تھیں۔ جاوید اس وقت کہیں باہر گیا ہوا تھا۔

”یہ تو سب صحیح ہے۔“ اُنھوں نے کہا۔ ”لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

”کیا؟“

”شمس ہی وہ جادُوگر نہ تھا تو وہ پُراسرار آوازیں کیسے آجاتی تھیں؟“

”میں بتاتا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”شمس اِن آوازوں کا ماہر تھا۔ وہ ہونٹ بند کر کے چہرے پر زور ڈالے بغیر پُراسرار گیت کی سی آواز پیدا کیا کرتا تھا۔“

”پہلے ہمارا خیال تھا کہ وہ اپنے کسی ساتھی سے ٹیپ ریکارڈر پر کیسٹ چلواتا تھا۔“ عاقِب نے کہا۔ ”مگر بعد میں یہ بات غلط ثابت ہوئی، کیونکہ جسے ہم نے اُس کا ساتھی سمجھا تھا وہ بعد میں پروفیسر عثمانی نکلا۔“

”یہ پروفیسر عثمانی کو کیا سوجھی تھی، بِٹّن بن کے ہمارے گھر ملازمت کرنے کی؟“ پھوپھی نے پوچھا۔

عنبر نے کہا۔ ”وہ انسان کی ضعیف الاعتقادی یعنی وہم جادُو، ٹونے اور اِس قسم کی چیزوں پر تحقیق کر رہے ہیں اور کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔“

”یہ سارا چکر اُنہوں نے آپ لوگوں کے حلقے میں داخل ہونے اور معلومات حاصل کرنے کے لیے چلایا تھا۔“ نسیم نے کہا۔

”اور جس رات ہم ۳۰۳ ماڈل روڈ میں داخل ہوئے تھے اس رات وہ بھی وہیں کہیں تھے۔ اُنہوں نے ہی مجھے ملّو کی بندوق سے بچایا تھا۔“ عنبر نے بتایا۔

”توبہ ہے!“ پھوُپھی نے لرزتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگوں نے میرے لیے کیا کیا مُصیبتیں جھیلی ہیں۔ اچھا عنبر، یہ لوگ دھوئیں میں سانپ بھی تو بُلاتے تھے۔ اس رات تم نے شاید دیکھا بھی ہو؟“

”ہاں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہم لوگ برابر والے کمرے میں چھُپے ہوئے تھے۔“

”وہ سانپ کہاں سے آجاتا تھا؟“ پھوُپھی نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ کوئی مُشکل کام نہ تھا۔“ عنبر نے کہا۔ ”آپ کو پتا ہے نا کہ وہ لوگ موم بتّیاں جلاتے تھے اور بجلی بُجھا دیتے تھے۔ اُنہوں نے چھت کے ایک کونے میں چھوٹا سا پروجیکٹر لگا رکھا تھا جس کا سوئچ بقناطوس کی اُونچی سی کُرسی میں تھا۔ سانپ یاناگ کی آواز شمس اس لیے نکالتا تھا کہ پروجیکٹر کی آواز اُس میں چھُپ جائے۔ ناگ کی تصویر فلم چلا کر دھوئیں پر دکھا دیتے تھے۔ یوں بھی کمرے کا ماحول اس طرح کا ہوتا تھا کہ اگر ایک بار شیر بھی کمرے میں چلتا ہوا دِکھا دیتے تو آپ جادُو مان لیتیں۔“

”عنبر ایک بات اور سمجھ میں نہیں آئی۔“ پھوُپھی نے ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ ”اگر اس سارے چکّر میں جادُو نہیں تھا تو بیگم خان کا ناگ ملتے ہی، حادثہ کیسے ہو گیا تھا؟“

”یہ بات پولیس کے سامنے کل ہی آچکی ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ملّو نے ایک شخص نذیر کو پیسے دے کر بیگم خان کی کار کا اگلا پہیّا ڈھیلا کرا دیا تھا تاکہ کچھ

دیر بعد وہ نکل جائے اور بیگم خان کا حادثہ ہو جائے۔ چنانچہ وہی ہوا۔"

"اوہ! میں تو یہی سوچ کر بیمار ہو گئی تھی کہ اب مجھے بھی ناگ مل چکا ہے اور میں بھی مرنے والی ہوں۔"

"اسی لیے تو پروفیسر نے اپنی ایک شاگرد کو خانہ بدوش بنا کر آپ کا وہم دور کرا دیا۔ وہ جانتے تھے کہ آپ اسی طرح صحت یاب ہو سکتی ہیں۔"

"تو کیا وہ سب کچھ ایک دِکھاوا تھا؟" پھوپھی نے حیرت سے کہا۔ "مگر ناگ تو سچ مُچ غائب ہو گیا تھا۔"

"یہ تو ساری ہاتھ کی صفائی تھی۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "اس نے تڑپنے کی ایکٹنگ کے دوران بڑی چالاکی اور صفائی سے سبز رنگ کا تھیلا بدل دیا۔ وہ ایک طرح کے دو تھیلے لائی تھی۔ دوسرا خالی تھا اور اس کا منہ رسّی سے بندھا ہوا تھا۔ تڑپنے کے دوران اُس نے خالی تھیلا اپنے لمبے فراک کے نیچے سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور ہاتھ والا پہلا تھیلا اپنے لباس میں چھپا لیا اور یوں آپ ٹھیک ہو گئیں۔"

"توبہ ہے!" پھوپھی نے کانوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ "بعض دفعہ آدمی کیا کیا بے وقوفی کر گزرتا ہے۔ شکر ہے کہ میں بچ گئی۔"

"اچھّا، پھوپھی جان۔" عنبر بولا۔ "اتنے سوال تو آپ پوچھ چُکیں، ایک میں بھی آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے آخر ہیروں کا ہار چھپایا کہاں تھا؟"

"کیوں؟ اب تمہاری نیّت خراب ہو گئی ہے کیا؟" پھوپھی نے اِس انداز سے کہا کہ سب ہنسنے لگے۔ "اُسے میں نے اپنے کمرے کے کوڑے کرکٹ والے کنستر میں رکھ دیا تھا، کیونکہ میرا خیال تھا کہ کوئی آدمی ہیروں کا ہار اُس کنستر میں تلاش نہیں کرے گا۔ باقی چاہے سارا گھر چھان مارے۔"

"خوب! بہت خوب!" عنبر نے کہا۔

"آخر وہ ہمارا خاندانی ہار تھا، اور اسے میں کسی بھی قیمت پر نہیں دے سکتی تھی۔ وہ میرے بھائی اور بھابی کی امانت ہے۔ اس کے لیے میں اپنی جان بھی دے سکتی ہوں۔"

اچانک کمرے کا دروازہ کھُلا اور جاوید مُسکراتا ہوا اندر آیا۔ اُس کے پیچھے ایک شخص تھا جس کے ہاتھ میں شیشے کا وہ گولا تھا جو آج سے بیس سال پہلے ایکٹر راحیل خان نے فلم "خونی چڑیل عرف گڑبڑ گھٹالا" میں استعمال کیا تھا۔

"آج ۲۱ تاریخ تھی، پھوُپھی جان۔" جاوید نے کہا۔ "میں آپ کے لیے یہ تحفہ خرید کر لایا ہوں۔ بیگم خان ہسپتال میں ہیں۔ وہ بولی دینے نہ آسکیں۔ اس لیے ہمیں یہ سستا ہی مل گیا۔ صرف پانچ سو روپے میں۔"

"اوہ!" پھوُپھی نے خوشی سے کہا۔ "مگر تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے، اتنے سارے؟"

"پیسے تو آپ نکالیے۔" جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔ "پیسے لینے کے لیے ہی تو یہ آدمی آیا ہے۔"

پھوُپھی نے پیسے دے دیے اور جاوید سے کہنے لگیں۔ "اب تم میرا ایک اور کام کرو۔"

”کیا؟“ یہ تحفہ میری طرف سے بیگم خان کو پیش کر دو۔

”سچ؟“

”ہاں، بالکل سچ۔“ پھوپھی نے کہا۔

”چلو ننھے سُراغ رسانو!“ جاوید نے کہا۔ ”مجھے بیگم خان کے پاس لے چلو۔“

ختم شد